شبلی کے مکتوب الیہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ادبی دائرہ، اعظم گڑھ

شبلی کے مکتوب الیہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

بسم الله الرحمن الرحيم

شبلی کے مکتوب الیہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ادبی دائرہ، اعظم گڑھ

SHIBLI KE MAKTOOB ELAIH
by: Mohammad Ilyas Azmi
Frist edition 2022
azmi408@gmail.com
+919838573645
Page: 208. Rs: 350/-

ISBN

- کتاب : .... شبلی کے مکتوب الیہ
- مصنف : .... ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
- ناشر : .... مصنف
- مطبع : .... اصیلہ پرنٹرس دہلی

ملنے کے پتے

- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۔ ٦
- دار المصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ٢٧٦٠٠١

انتساب

ایک قدرداں

شکیل رشید صاحب

کی نذر

ترتیب

○ حرفِ آغاز.. ۱۳

○ علامہ شبلی کے مکتوب الیہ.............................. ۱۷
۱۔ سرسید احمد خاں.. ۱۷
۲۔ شیخ حبیب اللہ وکیل... ۱۹
۳۔ شیخ عجیب اللہ.. ۲۳
۴۔ مولوی رحمٰن علی.. ۲۴
۵۔ امیر مینائی... ۲۶
۶۔ مولانا محمد فاروق چریا کوٹی.............................. ۲۷
۷۔ مولانا محمد ارشاد حسین رام پوری....................... ۲۸
۸۔ ڈپٹی نذیر احمد.. ۲۹
۹۔ نواب محسن الملک... ۳۰
۱۰۔ خواجہ الطاف حسین حالیؔ................................. ۳۲
۱۱۔ خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی....................... ۳۳
۱۲۔ نواب اقبال یار جنگ.. ۳۴
۱۳۔ مولانا مسیح الزماں خاں..................................... ۳۶

۱۴۔ نواب وقار الملک ۳۷
۱۵۔ مولانا محمد اشرف علی ایم اے ۳۸
۱۶۔ سید حسین بلگرامی ۳۹
۱۷۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ ۴۱
۱۸۔ اکبرالہ آبادی ۴۲
۱۹۔ حافظ احمد علی شوق رام پوری ۴۳
۲۰۔ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ۴۵
۲۱۔ ملا عبدالقیوم حیدرآبادی ۴۷
۲۲۔ مولوی احسن اللہ خاں ثاقب ۴۷
۲۳۔ حاجی شیخ رشید الدین انصاری ۴۸
۲۴۔ مولانا محمد سلیم وکیل ۵۰
۲۵۔ حکیم غلام غوث بہاول پوری ۵۱
۲۶۔ مولوی مرزا محمد سلیم ۵۱
۲۷۔ میر اصغر علی ۵۲
۲۸۔ سید نظیر الحسن فوقؔ رضوی ۵۲
۲۹۔ مولوی بشیر الدین اٹاوہ ۵۳
۳۰۔ مولوی محمد یوسف وکیل ۵۵
۳۱۔ میر صدر الدین حسین خاں ۵۶
۳۲۔ مولوی خلیل الرحمٰن سہارن پوری ۵۷
۳۳۔ شمس العلما مولوی سید ممتاز علی ۵۸
۳۴۔ ابن مرتضیٰ بلگرامی ۵۹
۳۵۔ سکھ دیال سنگھ شوق ۶۰

۳۶۔ جرجی زیدان ۶۱
۳۷۔ فرحت احمد ۶۲
۳۸۔ اکبر صاحب ۶۴
۳۹۔ مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی ۶۵
۴۰۔ مولوی محمد سمیع ۶۶
۴۱۔ مسٹر مہدی حسن بیرسٹر ۶۹
۴۲۔ حامد علی خاں بیرسٹر ۷۷
۴۳۔ میر ولایت حسین ۷۸
۴۴۔ مولوی حکیم محمد عمر ۷۹
۴۵۔ مفتی شیر علی حیدرآبادی ۷۹
۴۶۔ علامہ حمید الدین فراہی ۸۰
۴۷۔ مولوی محمد عمر ۸۵
۴۸۔ مولوی عبداللہ بلوچی، ندوی ۸۶
۴۹۔ شیخ رشید رضا مصری ۸۶
۵۰۔ نواب سر مزمل اللہ خاں ۸۸
۵۱۔ مولوی قیام الدین بخت جونپوری ۸۹
۵۲۔ قاضی محمد خلیل حیراں ۹۰
۵۳۔ نواب سید علی حسن خاں ۹۱
۵۴۔ حکیم محمد اجمل خاں ۹۴
۵۵۔ قاضی سراج الدین احمد ۹۵
۵۶۔ سید عبدالسلام فاروقی ۹۷
۵۷۔ زہرا بیگم ۹۸

۵۸۔ نوبت رائے نظر ۱۰۰
۵۹۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۱۰۱
۶۰۔ مولوی وحیدالدین سلیم ۱۰۳
۶۱۔ میر محبوب علی خاں نظام ۱۰۶
۶۲۔ مولوی محبوب عالم ۱۰۷
۶۳۔ سر سید علی امام ۱۱۰
۶۴۔ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی ۱۱۱
۶۵۔ سر محمد شفیع بیرسٹر ۱۱۲
۶۶۔ سید محمد محسن خاں بلگرامی ۱۱۴
۶۷۔ مولوی عبدالغنی وارثی ۱۱۴
۶۸۔ منشی نجم الدین ۱۱۵
۶۹۔ سید ہمایوں مرزا ۱۱۶
۷۰۔ مولانا ظفر علی خاں ۱۱۷
۷۱۔ مسٹر محمد اسحاق وکیل ۱۱۹
۷۲۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق ۱۲۱
۷۳۔ منشی محمد امین زبیری ۱۲۲
۷۴۔ خواجہ کمال الدین ۱۲۴
۷۵۔ سید عبدالحکیم دسنوی ۱۲۵
۷۶۔ سید افتخار عالم مارہروی ۱۲۶
۷۷۔ جگر بسوانی ۱۲۸
۷۸۔ نواب غلام احمد کلامی ۱۲۹
۷۹۔ نازلی رفیعہ بیگم ۱۳۱

۸۰۔ طیبہ بیگم بلگرامی ۱۳۳
۸۱۔ نواب سر سلیم اللہ خاں ۱۳۴
۸۲۔ خواجہ حسن نظامی ۱۳۵
۸۳۔ مولوی احسن مارہروی ۱۳۶
۸۴۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ۱۳۹
۸۵۔ مولوی ریاض حسن خاں خیال ۱۴۱
۸۶۔ مولانا محمد علی جوہر ۱۴۳
۸۷۔ مشیر حسین قدوائی ۱۴۴
۸۸۔ فاطمہ خانم ۱۴۵
۸۹۔ عطیہ بیگم فیضی ۱۴۶
۹۰۔ سر آغا خاں ۱۴۹
۹۱۔ سید احمد مرتضیٰ نظر ۱۵۱
۹۲۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد ۱۵۴
۹۳۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی ۱۵۵
۹۴۔ مہدی حسن افادی ۱۵۷
۹۵۔ پروفیسر زماں مہدی ۱۵۹
۹۶۔ منشی شرف الدین رام پوری ۱۶۰
۹۷۔ مولوی سید نواب علی ایم اے ۱۶۱
۹۸۔ پروفیسر عبدالقادر سرفراز ۱۶۲
۹۹۔ مولوی سید ولی الحق ۱۶۴
۱۰۰۔ شاکر میرٹھی ۱۶۵
۱۰۱۔ حامد حسن نعمانی ۱۶۵

۱۰۲۔ مولوی حسین عطاء اللہ حیدر آبادی.............................. ۱۶۷
۱۰۳۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی.................................. ۱۶۷
۱۰۴۔ سید رضا علی وحشت.. ۱۶۸
۱۰۵۔ دیا نرائن نگم بی اے... ۱۶۹
۱۰۶۔ عزیز لکھنوی.. ۱۷۰
۱۰۷۔ مولانا عبدالسلام ندوی....................................... ۱۷۰
۱۰۸۔ ماسٹر محمد شفیع.. ۱۷۱
۱۰۹۔ عزیز صفی پوری... ۱۷۲
۱۱۰۔ دلگیر اکبر آبادی... ۱۷۲
۱۱۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی...................................... ۱۷۳
۱۱۲۔ سید ظفر الملک علوی... ۱۷۷
۱۱۳۔ مولوی مشرف الحق... ۱۷۸
۱۱۴۔ قوس حمزہ پوری.. ۱۷۹
۱۱۵۔ مولوی حامد حسن قادری...................................... ۱۸۱
۱۱۶۔ مولانا ضیاء الحسن علوی..................................... ۱۸۲
۱۱۷۔ مولانا ابوالکلام آزاد.. ۱۸۳
۱۱۸۔ ملا واحدی.. ۱۸۶
۱۱۹۔ مولوی عبدالباری ندوی...................................... ۱۸۸
۱۲۰۔ مولوی سید ابوظفر ندوی..................................... ۱۹۰
۱۲۱۔ ڈاکٹر سید محمود.. ۱۹۳
۱۲۲۔ مولوی مسعود علی ندوی..................................... ۱۹۴
۱۲۳۔ ضیاء الدین احمد برنی....................................... ۱۹۵

۱۲۴۔ مولوی عبدالقادر ۱۹۶
۱۲۵۔ مولوی حاجی معین الدین ندوی ۱۹۶
۱۲۶۔ پیرزادہ ابراہیم حنیف ۱۹۸
۱۲۷۔ مولانا عبدالماجد دریابادی ۱۹۸
۱۲۸۔ ڈاکٹر محمد سلیم ۲۰۰
۱۲۹۔ سر فضل حسین ۲۰۰
۱۳۰۔ ڈاکٹر محمود لبیب ۲۰۲
○ کتابیات ۲۰۳

○○○

حرف آغاز

مکتوبات شبلی کی جمع وتدوین کے زمانہ میں خیال آیا کہ علامہ شبلی [۱۸۵۷-۱۹۱۴ء] کے مکتوب الیہ کا تعارف وتذکرہ بھی مرتب کیا جانا چاہئے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ علامہ شبلی کے مکتوب الیہ کس پایہ کے اہل علم اور صاحب فضل وکمال تھے۔مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے درمیان کس قسم کے روابط اور تعلقات تھے۔کن وجوہ واسباب سے خط وکتابت کا سلسلہ قائم ہوا اور وہ کون سے مسائل ومعاملات تھے جوان کی مکاتبت میں زیر بحث آئے۔اور ایک قاری کے لئے وہ کس درجہ مفید ہیں۔؟

علامہ شبلی کی کتاب زندگی کے ایک فراموش شدہ باب ''علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو'' کی تکمیل سے فرصت پا کر علامہ شبلی نعمانی کے مکتوب الیہ کی طرف متوجہ ہوا۔اور اب تقریباً ایک سال بعد یہ کام بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور قدر دانان شبلی کی نذر ہے۔

مکتوب الیہم کے اس تذکرہ سے جہاں مکتوب نگار اور مکتوب الیہم کے مراسم وتعلقات کی تفصیلات سامنے آتی ہیں، وہیں مکتوب الیہ کے نام مکتوبات کی تعداد اور اس کے اہم مواد و مشمولات سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

اس کتاب میں شامل بیشتر ادیبوں، شاعروں اور عالموں کے احوال وکوائف سوائے چند ایک کے پہلے بھی قلم بند کئے جا چکے ہیں۔اس لحاظ سے ان میں کوئی ندرت نہیں ہے، لیکن مطالعات شبلی کے حوالہ سے اب تک ان شخصیات کے احوال وکوائف قلم بند نہیں کئے گئے تھے۔ اور نہ اس پس منظر میں ان کا مطالعہ وجائزہ لیا گیا تھا۔اس لحاظ سے یہ ایک منفرد کوشش ہے۔

ایک صدی پہلے دوجلدوں میں شائع ہوئے مکاتیب شبلی مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی میں بھی مکتوب الیہم کے حالات نہیں لکھے گئے، محض حواشی میں معمولی سوانحی اشاروں سے کام لیا گیا تھا۔اس لئے زیر نظر کتاب میں علامہ شبلی کے تمام مکتوب الیہ کا خواہ ان کے نام کے خطوط مکاتیب شبلی، مکتوبات شبلی یا خطوط شبلی میں شامل ہوں، سب کا تعارف وتجزیہ پیش کیا گیا ہے، اور انتہائی جامعیت اور اختصار سے ان کے حالات وواقعات قلم بند کئے گئے ہیں۔اس مطالعہ میں یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ صاحب تذکرہ کے متعلق زیادہ گفتگو علامہ شبلی اور ان کے مکاتیب کے حوالہ سے کی جائے۔ادبی، لسانی اور تاریخی اعتبار سے اگر کسی مکتوب کا کوئی اقتباس نقل کرنے کے لائق تھا تو اس سے بھی صرف نظر نہیں کیا گیا ہے اور دانستہ مکاتیب شبلی کے متعدد اہم اور خوبصورت اقتباسات اس لئے نقل کئے گئے ہیں تاکہ ان کے مشمولات اور ان کی ادبی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ آگاہی ہوسکے۔نیز انداز تخاطب اور مکتوب نگار کی نفسیات کا بھی علم ہوسکے۔

علامہ شبلی کے ہر مکتوب الیہ کے تذکرہ میں اس کے نام مکاتیب کی تعداد علاحدہ علاحدہ درج کی گئی ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے تمام مجموعہ ہائے مکاتیب کی تعداد بھی درج کردی گئی ہے۔اس سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان خط وکتابت کا ایک منظرنامہ بھی سامنے آجاتا ہے۔حسب معمول تمام اہم مباحث کا حوالہ دیا گیا ہے۔یہ کتاب ہے تو بظاہر تذکرۂ مکتوب الیہم مگر مطالعہ شبلی کے متنوع اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔یقین ہے اس سے علامہ شبلی، ان کے مکتوبات اور ان کے متنوع افکار وخیالات کی تفہیم میں مدد ملی گی۔

علامہ شبلی کے مکتوب الیہم کا دائرہ اثر بہت وسیع اور متنوع ہے۔اس میں عالم، فاضل، ادیب، شاعر، نقاد، ماہر تعلیم، ماہر قانون اور ماہر سیاسیات داں شامل ہیں۔اور خالص علم وتحقیق و تصنیف سے وابستہ اشخاص وافراد کا ذکر بھی آیا ہے۔عجمی تو شامل ہی ہیں، بعض عرب بھی اس بزم میں آگئے ہیں۔ان میں اکثر علامہ شبلی کے علم وفضل کے مداح نظر آتے ہیں۔شخصیات کے تنوع نے اس تذکرہ کو خاصا دلچسپ بنادیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین کے علم ومعلومات میں علامہ شبلی کے حوالہ سے قابل قدر اور مفید اضافہ ہوگا۔

علامہ شبلی کو مکتوب نگاری سے خاص دلچسپی تھی اور وہ پوری زندگی اہتمام سے خطوط لکھتے رہے۔ البتہ ان کی زندگی میں تین مواقع ایسے آئے جب انہوں نے نہایت کثرت سے خطوط لکھے اور ہر طبقہ اور ہر مکتبہ فکر سے رابطہ کیا۔ اس لحاظ سے ان کے مکاتیب کی جو تعداد ہونی چاہیے اس کا دسواں حصہ بھی دستیاب نہیں ہوا ہے۔ ان کے خطوط کے جواب میں جو خطوط آئے اسے خود انہوں نے محفوظ نہیں رکھا۔ ناچیز جب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' تلاش کر رہا تھا اور جنہیں اسی نام سے ۲۰۱۳ء میں کتابی صورت میں شائع کیا، ان کی تعداد محض ۵۳ تھی، لیکن اب اس میں قابل قدر اضافہ ہو گیا ہے۔

۱۹۰۳ء میں جب علامہ شبلی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری منتخب ہوئے تو انہوں نے انجمن ترقی اردو کی ترقی کے لئے کثرت سے خطوط لکھے اور تقریباً اردو کے ہر اہل علم ادیب و شاعر سے رابطہ قائم کیا۔ نیز امرا اور رؤسا کو بھی خطوط لکھے اور انہیں انجمن کے تعاون کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ اہل علم اور اردو کے ہمدردوں کی ایک بہت بڑی تعداد جن کے نام انجمن ترقی اردو کی سال ۱۹۰۳ء کی رپورٹ میں درج ہیں، انجمن سے وابستہ ہوئی۔ انجمن کے حوالہ سے مطالعہ خطوط شبلی کا یہ ایک اہم پہلو ہے۔

ندوۃ العلما کے لئے اگر چہ علامہ شبلی اس کے آغاز ہی سے تن من دھن سے لگے ہوئے تھے لیکن ۱۹۰۴ء میں جب انہیں ندوہ کا معتمد تعلیم نامزد کیا گیا اور وہ حیدرآباد کی ملازمت چھوڑ کر لکھنو آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ ندوہ کا خزانہ خالی ہے، چنانچہ اس کو خزانوں سے معمور کرنے کے لئے انہوں نے ایک بار پھر تمام امرا و رؤسا اور نوابوں اور ریاست کے مالکوں کو کثرت سے خطوط لکھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآباد سے بہاول پور تک ہر صاحب حیثیت نے تعاون کیا۔

اس کے بعد ۱۹۰۸ء میں علامہ شبلی نے تحریک وقف علی الاولاد شروع کی اور اس میں کامیابی کے لئے رات دن ایک کر دیا۔ اس میں بھی انہوں نے کثرت سے علماء، فضلا، امرا، روسا، قانون داں اور ارباب حکومت و اقتدار کو مخاطب کیا اور انہیں اصل مسئلہ سے آگاہ کیا اور ان کی حمایت حاصل کی۔ چنانچہ وقف علی الاولاد بل کی صورت میں پیش ہوا اور بطور قانون منظور

ہوا۔ یہ اپنے نوع کی مسلمانوں کے لئے علامہ شبلی کی ایک بڑی اہم کامیابی تھی۔

مذکورہ تینوں مواقع پر علامہ شبلی نے جو خطوط لکھے تھے، اس سلسلے کے چند خطوط ان کے مجموعہ ہائے مکاتیب میں شامل ہیں۔ اور ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ ان کے جواب میں جو خطوط آئے، ان کا ایک بہت معمولی حصہ ناچیز کی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم خطوط'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کا ایک بڑا حصہ غیر مدون ہے جو آئندہ شامل اشاعت جدید ہوگا۔

زیر نظر کتاب میں محض ان مکتوب الیہ کا تذکرہ شامل ہے جن کی علامہ شبلی سے خط و کتابت کا ثبوت دستیاب ہے۔ اور جن کی تعداد ۱۳۰ ہے۔

مکتوباتی ادب میں غالب و اقبال اور بعض دوسرے مکتوب نگاروں کے مکتوب الیہم کے احوال قلم بند کئے گئے ہیں۔ بظاہر یہ کوئی نیا کام نہیں، لیکن علامہ شبلی کی مکتوب نگاری کے عام ذکر کے باوجود آج تک ان کے مکتوب الیہ سے تعارض نہیں کیا گیا۔ اس کتاب میں برسوں کی اس ادبی کوتاہی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناچیز اپنے رب کے بے پایاں احسانات کے لئے سربسجود ہے کہ اس نے اور بہت سے ادبی و تحقیقی کاموں کی طرح اس کام کی بھی سعادت بخشی۔

اس موقع پر محسنین کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ اگر ان کی محبت شامل نہ ہوتی تو اعظم گڑھ میں بیٹھ کر کمزور صحت کے ساتھ یہ علمی و تحقیقی کام انجام دینا ناممکن تھا۔ برادر مکرم جناب شکیل رشید صاحب مدیر ممبئی اردو نیوز، ڈاکٹر محمد ارشد خاں اور عزیز مکرم مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی نے حسب ضرورت اپنے نیک اور مفید مشوروں سے نوازا اور حوصلہ بڑھایا۔ میری اہلیہ شائستہ فلاحی اور بچوں نے حسب معمول اپنا حق ادا کیا ہے۔ ناچیز دعا گو ہے کہ اللہ تعالی ان تمام محسنین و معاونین اور اہل خانہ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

ناچیز

محمد الیاس الاعظمی ۴/اپریل ۲۰۲۲ء

شائستہ منزل، شہر اعظم گڑھ

○○○

شبلی کے مکتوب الیہ

سرسید احمد خاں

[۱۸۱۷-۱۸۹۸ء]

سرسید احمد خاں بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ علامہ شبلی نعمانی [۱۸۵۷-۱۹۱۴ء] کے محسن و مربی تھے۔ ۱۶/سال [۱۸۸۳-۱۸۹۸ء] ان کے ساتھ رہے۔ جب تک وہ زندہ رہے علامہ شبلی علی گڑھ اور دامن سرسید سے وابستہ رہے۔ ان کی بدولت علامہ شبلی نے علمی دنیا میں بڑا وقار و اعتبار حاصل کیا۔ ان کے ابتدائی دور کے تمام اہم علمی، تاریخی اور سوانحی کارنامے مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، المامون، الجزیہ اور سیرۃ النعمان وغیرہ] انہیں کے زیر سایہ منصۂ شہود پر آئے اور علی گڑھ کالج کی طرف سے شائع ہوئے، مگر علامہ شبلی نعمانی کی خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی انفرادیت باقی رکھی۔ اور اپنا مستقل وجود رکھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ

> ''سرسید کے ساتھ ۱۶/برس رہا لیکن پولٹیکل مسائل میں ہمیشہ ان سے مخالف رہا اور کانگریس کو پسند کرتا رہا اور سرسید سے بارہا بحثیں رہیں۔''
>
> (مکتوبات شبلی ص ۱۸۵)

علامہ شبلی اگر چہ علی گڑھ کالج سے ۱۶/برس وابستہ رہے، مگر ان کی سرسید سے خط و کتابت کا سلسلہ ایم اے او کالج علی گڑھ سے وابستہ ہونے سے چار سال پہلے شروع ہو چکا تھا۔ سرسید کے نام علامہ شبلی کا پہلا خط دسمبر ۱۸۷۸ء کا ہے۔ سرسید کے نام علامہ شبلی کے پہلے خط پر تاریخ درج نہیں ہے، البتہ اس پر سرسید نے ایک نوٹ لکھا ہے جو ۴/جنوری ۱۸۷۹ء کو لکھا گیا ہے۔ اس سے خط کی تاریخ کی تعیین ہوتی ہے۔ سرسید کے نام ان کا آخری خط ۱۲/جولائی ۱۸۹۵ء

کا لکھا ہوا ہے۔اس طرح گویا شبلی وسرسید کے درمیان خط وکتابت کا عرصہ ۱۸؍سال پر محیط ہے۔ دونوں کے درمیان علامہ شبلی کے روم ومصر وشام کے سفر کے دوران کثرت سے خط وکتابت ہوئی۔سرسید کے نام علامہ شبلی کے کل ۱۶؍خطوط اب تک دریافت ہوئے ہیں۔۳؍خط مکاتیب شبلی حصہ اول میں اور۱۳؍مکتوبات شبلی میں شامل ہیں۔البتہ علامہ شبلی کے نام سرسید کے محض ۳؍ہی خطوط دستیاب ہیں اورانہیں خط کے بجائے رقعہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔اس میں دوخط مولوی عبداللہ انصاری سے متعلق ہیں اورایک خط ایم،اے،اوکالج کے غبن کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔

ان خطوط میں ظاہر ہے بہت سی معلومات پوشیدہ ہیں۔البتہ قسطنطنیہ اور بیروت ومصر کے تعلیمی حالات بالخصوص علوم وفنون اور کتب ورسائل کے سلسلہ کی بہت اہم معلومات ان میں پائی جاتی ہیں۔تحریک علی گڑھ بہت سے اولڈ بوائے کی تحریروں میں روشن ہے مگراس کے اولین نقوش انہیں مکاتیب شبلی کے اوراق میں پوشیدہ ہیں۔بطور نمونہ ایک خط ملاحظہ ہو۔وہ سرسید کو لکھتے ہیں:

> ’’بیروت کے علمانے تمام نصارائے عرب خواہ جاہلیت کے ہوں،خواہ اسلام کے،ان سب کے اشعار کاایک مجموعہ تیارکر کے چھاپنا شروع کیا ہے،ایک جلد چھپ چکی ہےاس میں اخطل کا دیوان بھی ہےلیکن وہ مستقل تین جلدوں میں چھپ چکا ہے۔یہ آج تک کہیں نہیں مل سکا تھا،یورپ میں بھی اس کی تلاش تھی۔‘‘(مکاتیب شبلی حصہ اول ص۱۴)

علامہ شبلی نے قسطنطنیہ سے سرسید کے نام ایک خط لکھا ہے،جس میں ان کا نظریہ تعلیم واضح ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ’’افسوس ہے کہ عربی تعلیم کا پیمانہ یہاں بہت ہی چھوٹا ہےاور جوقدیم طریقہ تعلیم تھااس میں یورپ کا ذراپرتونہیں۔جدید تعلیم وسعت کے ساتھ ہے، لیکن دونوں کے حدود جدارکھے گئے ہیں اور جب تک یہ دونوں ڈانڈے نہ ملیں گے اصلی ترقی نہ ہوسکے گی،یہی کمی توہمارے ملک میں ہے،جس کا رونا

ہے۔‘‘(ایضاً ص۱۶)

شیخ حبیب اللہ وکیل

[م:۱۲؍نومبر۱۹۰۰ء]

علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ اعظم گڑھ کے مشہور وکیل اور زمین دار تھے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں (ص۸۱،طبع جدید۲۰۰۸ء)ان کا ذکر کیا ہے۔

ضلع اعظم گڑھ میں تعلیم کے میدان میں جو انقلاب پیدا ہوا اس کے بنیاد گذاروں میں ایک اہم نام علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ کا بھی ہے۔وہ موضع بندول کے زمیندار تھے۔ان کے جداعلیٰ شیوراج سنگھ راجپوت تھے جو مشرف بہ اسلام ہوکر چودھری سراج الدین ہوئے۔ان کے اسلام قبول کرنے کا دلچسپ واقعہ حیات شبلی اور تاریخ بندول میں تفصیل سے درج ہے۔شیخ حبیب اللہ،شیوراج سنگھ کی دسویں پشت میں تھے۔ان کے والد شیخ حسن علی اعظم گڑھ کلکٹری میں مختار تھے اور عربی و فارسی سے بخوبی واقف تھے۔قانون پر نظر تھی۔ان کا انتقال [۲۷-۲۸] مئی ۱۸۹۰ء کو بندول میں ہوا۔سرسید کے نام علامہ شبلی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ

> ’’افسوس کہ جناب جد امجد نے بیاسی برس کی عمر میں تین چار دن ہوئے انتقال کیا۔اگر چہ ان کی عمر پوری ہو چکی تھی لیکن چونکہ ان کی موت ناگہانی طور پر ایک صدمہ سے ہوئی اس لئے لوگوں کو نہایت رنج ہوا۔ان کے تمام قویٰ درست تھے۔میں نے رسالہ حسن [حیدرآباد] ان کو دیا تھا تو بغیر عینک کے پڑھ گئے۔خدا مغفرت کرے۔‘‘(۱)

شیخ حبیب اللہ نے ان کی زیرنگرانی ابتدائی تعلیم کے بعد عربی وفارسی پڑھی اور اس میں بڑی مہارت وصلاحیت پیدا کی۔ان کے بلند فارسی مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کا ذکر علامہ شبلی نے اپنی مشہور کتاب شعرالعجم میں کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''میری طالب علمی کا زمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحبت میں کسی نے کلیم کا یہ شعر پڑھا:

سر بہ بستاں چوں دہد جلوہ یغمائی را
اول از سرو کند جامہ رعنائی را

والد مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔ میں نے کہا کپڑا اتارنے کو جامہ کشیدن بھی کہتے ہیں۔ اس لئے شاعر اگر کند کے بجائے کشد کہتا تو زیادہ فصیح ہوتا، جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہیں۔ سب چپ ہو گئے۔ والد مرحوم نے ذرا سوچ کر کہا کہ ''نہیں یہی لفظ [کند] شعر کی جان ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ میں جب غارت گری کی شان دکھاتا ہے تو پہلے سرو کی رعنائی کا لباس اتار لیتا ہے، لباس اتارنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مثلاً کوئی شخص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا اتار کر رکھ دے یا اس کا نوکر اتارے۔ دوسرے یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑے اتر والئے جائیں یا نچوا لئے جائیں۔ فارسی میں اس کے لئے دو مختلف لفظ ہیں۔ جامہ کشیدن اور جامہ کندن۔ چونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر سرو کا کپڑا اتار لیتا ہے۔ اس لئے یہاں جامہ کندن کا لفظ جامہ کشیدن سے زیادہ موزوں ہے۔ تمام حاضرین نے اس توجیہ کی بیساختہ تحسین کی۔'' (۲)

اس زمانہ میں عربی و فارسی کی تعلیم کے بعد وکالت کے لئے الہ آباد ہائی کورٹ کا امتحان پاس کیا جاتا تھا، چنانچہ شیخ حبیب اللہ نے بھی قانون کا امتحان دے کر الہ آباد ہائی کورٹ سے وکالت کا اجازت نامہ حاصل کیا اور وکالت شروع کی۔ چونکہ شیخ صاحب بڑے ذہین شخص تھے، اس لئے وکالت نے بڑا فروغ پایا اور ان کا شمار اعظم گڑھ کے چوٹی کے وکلا میں ہوا۔ اس سے انہوں نے دولت بھی کمائی اور عزت وشہرت اور ناموری بھی۔ ان کی وجاہت یہ تھی کہ وہ عوام و خواص اور حکام سب میں یکساں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جدوجہد

آزادی کا ہندوستان میں بگل بجا تو اعظم گڑھ میں بھی اس کے شعلے بھڑکے۔ چنانچہ شیخ حبیب اللہ نے سگڑی تحصیل میں امن وامان قائم رکھنے میں حکام کی مدد کی۔

شیخ صاحب کئی برس تک اعظم گڑھ میونسپلٹی کے آنریری سکریٹری بھی رہے۔

اس وقت اعظم گڑھ اور قرب وجوار کے رؤسا کا ایک مشغلہ نیل اور شکر کی تجارت بھی تھا چنانچہ دولت ہاتھ آئی تو شیخ صاحب نے جگہ جگہ نیل کے گودام اور شکر کے کارخانے ڈالے، اس تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ شیخ صاحب نے اس سے زمینیں خرید کر اپنی زمیں داری میں اضافہ کیا۔ دیوارا کا پورا علاقہ شیخ حبیب اللہ ہی نے خریدا تھا۔

مزاجاً وہ سلجھے ہوئے، سنجیدہ، دلیر، فیاض، سخی اور باوقار شخص تھے۔ ان کی فیاضی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی آمدنی سے جو زمینیں اور علاقے خریدے وہ اپنے تینوں بھائیوں، شیخ مجیب اللہ، شیخ عجیب اللہ اور شیخ نجیب اللہ کے نام خریدے اور پھر سب کو یکساں تقسیم کیا۔

۱۸۷۴ء میں شیخ حبیب اللہ نے شہر اعظم گڑھ میں مدرسہ عربیہ کی بنا ڈالی اور اس میں مولوی فیض اللہ مئویؒ [م: ۱۳ر ربیع الاول ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۸ء] کو مدرس اول مقرر کیا۔ اس مدرسہ کے پہلے استاذ مولانا فیض اللہ مئوی تھے اور پہلے طالب علم علامہ شبلی۔ ان کے بعد شیخ صاحب نے اپنے دوست مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی [۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۹ء] کو استاذ مقرر کیا۔ علامہ شبلی ان سے مدرسہ چشمہ رحمت میں پڑھ چکے تھے، یہاں انہوں نے درسیات کی تکمیل کی۔ خود علامہ شبلی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میری تمام تر علمی کائنات مولانا فاروق چریا کوٹی کے افادات ہیں۔

۱۱ر جولائی ۱۸۷۴ء کو سرسید احمد خاں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے مالی واخلاقی تعاون کے لئے اعظم گڑھ تشریف لائے۔ چنانچہ مشن اسکول میں معززین شہر جمع ہوئے اور راجہ سلامت خاں [م: ۱۹۱۲ء] کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ شیخ حبیب اللہ بھی اس میں شریک ہوئے۔

اسی طرح سرسید نے علامہ شبلی کے ذریعہ کالج میں تعلیمی کانگریس کے تعاون کے لئے اعظم گڑھ میں ایک کمیٹی بنوائی تو اس کے بھی ایک رکن شیخ صاحب تھے۔ اور اس کی فیس رکنیت

بھی ادا کرتے تھے۔ایک بار فیس رکنیت خود علامہ شبلی نے علی گڑھ پہنچائی۔(۱)

شیخ حبیب اللہ نے ۱۲ر نومبر ۱۹۰۰ء کو وفات پائی۔علامہ شبلی نے فارسی میں ان کا بڑا دلدوز مرثیہ لکھا ہے جوان کے فارسی کلیات میں شامل ہے۔

ان کی تدفین موضع بندول میں آبائی قبرستان میں ہوئی ہے۔

باپ بیٹوں کے درمیان خط و کتابت کا طویل دورانیہ ہے،مگر خطوط شبلی بنام شیخ حبیب اللہ کی تعداد قابل ذکر نہیں۔''مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں چار اور حصہ دوم میں محض دو فارسی خطوط شامل ہیں جبکہ مکتوبات شبلی میں محض ایک نو دریافت خط شامل ہے۔اس طرح ان کے نام علامہ کے خطوط کی کل تعداد ۷ر ہوتی ہے۔

قسطنطنیہ سے اپنے والد کو لکھتے ہیں۔

> ''کتابیں یہاں عجائب وغرائب ہیں،لیکن حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔نہ نقل ہوسکتی ہیں نہ حافظہ ان کے لئے کافی ہے، میں ہر روز دو تین میل پیادہ سیر کرتا ہوں، کیوں کہ کتب خانے دور دور واقع ہیں۔''(۴)

ایک اور خط ملاحظہ ہو،جس سے ان کے گھریلو حالات کا اندازہ ہوگا۔وہ لکھتے ہیں:

> ''والد صاحب! میں کسی کا خط کھولنا معیوب سمجھتا ہوں مگر مہدی (۵) کا خط مدت سے نہیں دیکھا تھا،علاوہ اس کے آپ کے نام کا خط مخفی راز ہی نہیں ہوتا اس لئے یہ جرات ہوئی۔میں اب تک بیمار ہوں۔شدت کا بخار ہر روز رہتا ہے۔جنید(۶) کا بھی یہی حال ہے۔''(۷)

حوالے

(۱) مکتوبات شبلی ص ۲۱

(۲) شعر العجم ج ۲ ص ۱۴۔۱۹۸۶ء

(۳) مکتوبات شبلی ص ۲۰-۲۱

(۴) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۲۲

(۵) منجھلے بھائی محمد مہدی حسن بیرسٹرایٹ لا

(۶) برادرخرد محمد جنید نعمانی، سب جج کان پور

(۷) مکتوبات شبلی ص ۳۷

شیخ عجیب اللہ

[•••]

شیخ عجیب اللہ علامہ شبلی کے منجھلے چچا تھے۔تعلیم یافتہ تھے۔یعنی اردواورفارسی زبان و ادب پڑھا تھا۔باذوق تھے۔علامہ شبلی کی مناظرانہ دور کی یادگار تصنیف ظل الغمام فی مسئلہ القراۃ خلف الامام کی طباعت کے اخراجات انہیں نے ادا کئے تھے۔مکاتیب شبلی حصہ اول میں ان کے نام چار خطوط شامل ہیں۔تین خط اردو میں اور ایک فارسی میں ہے۔فارسی خط حصہ دوم میں درج ہے۔ان خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عمدہ علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے۔علامہ شبلی کے فارسی خطوط میں بقول سیدصاحب پوری انشاپردازی صرف کی گئی ہے اوراردوخطوط میں بھی شاعرانہ تکلفات ہیں۔(۱) گویا انہیں بھی ان امور سے دلچسپی تھی، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ غالباً زمینداری کے ذمہ دار تھے۔ان کے حالات وسوانح نہیں ملتے۔۱۸۹۱ءتک حیات تھے۔ان کے نام علامہ شبلی کا آخری خط دسمبر ۱۸۹۱ء کا ہے۔ہائی کورٹ الہ آباد کے سابق چیف جسٹس سراقبال احمد انہیں کے پوتے تھے۔

علامہ شبلی اس زمانہ میں اپنے محبوب چچا کو خطوط میں کیا کیا لکھا کرتے تھے،اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

> ''جرمنی میں اب کی سال ایک عظیم الشان مجلس منعقد ہوگی جوصرف عربی وفارسی وغیرہ پرتحقیقات جدیدہ کے دفتر پیش ہوں گے۔حمیداللہ خاں (۲) کو گورنمنٹ انگریزی نے وہاں سفیر بنا کر بھیجنا چاہا ہے،ان کا خط آیا ہے کہ مجھ کو

بھی مجلس مذکور میں کوئی مضمون پڑھنا چاہئے ۔حمیداللہ خاں نے یہ اعتراف کر کے کہ وہ اس کام کو بالکل انجام نہیں دے سکتے ۔سید احمد خاں کو لکھا ہے کہ وہاں کے علما سے کچھ لکھوا کر ارسال فرمائیے ، بالخصوص میرا نام لکھا ہے ، یہ مضمون وہ اپنے نام سے نہیں پڑھیں گے بلکہ جس کا لکھا ہوگا اسی کے نام سے ،افسوس ہے کہ میری طبیعت صحیح نہیں ،آپ کو خط لکھ رہا ہوں اور سر پھرنے لگا ،فرصت بھی کم رہ گئی ہے،شاید نہ لکھ سکوں ،آپ دیکھیں گے عربیت اب بھی موجب شہرت وعزت ہے ۔اگر آج حمیداللہ خاں عربی سے واقف ہوتے تو نہ صرف لندن بلکہ تمام یورپ میں ان کی ناموری کا پھریرا اڑتا ۔‘‘(۳)

حواشی

(۱) حیات شبلی ص۱۲۵-۱۲۶

(۲) حمیداللہ خاں سر بلند جنگ، پسر سمیع اللہ خاں حیدرآباد میں جج تھے۔

(۳) مکاتیب شبلی حصہ اول ص۲۸

مولوی رحمٰن علیؒ

[۱۸۲۸-۱۹۰۷ء]

مشہور عالم ومولف اور مشہور کتاب ’’ تذکرہ علمائے ہند‘‘ کے مصنف محمد عبدالشکور بن حکیم شیر علی صدیقی معروف بہ مولوی رحمٰن علی اور علامہ شبلی نعمانی ایک دوسرے سے بخوبی اقف تھے ۔مولوی رحمٰن علی نے ’’ تذکرہ علمائے ہند‘‘ میں لکھا ہے کہ

’’مولوی محمد شبلی اعظم گڑھ ،اسکات المعتدی علی انصات المقتدی اور ظل الغمام وغیرہ کے مصنف ہیں ۔مروجہ درسی کتابیں مولوی محمد فاروق چریا کوٹی سے پڑھیں ،اب مدرسہ علی گڑھ میں مدرس اول ہیں ۔

تصانیف: المامون (تاریخ زمانہ مامون الرشید خلیفہ عباسیہ، بغداد) الجزیہ (جزیہ کی حقیقت کا بیان) گذشتہ تعلیم (مسلمانان سلف کے علوم کی تدوین اور قدیم مدارس کے نام) صبح امید (اسلام کی موجودہ حالت) سیرت النعمان (امام ابوحنیفہؒ کی سوانح عمری) عربی و فارسی قصائد وغزلیات۔''(۱)

ان دونوں کے درمیان خط وکتابت بھی تھی مگران کے نام محض ایک ہی خط دستیاب ہے۔اوراسے ''مکتوبات شبلی'' میں شائع کیا گیا ہے۔

مولوی رحمٰن علی ایک ہندو ریاست ریواں [مدھیہ پردیش] میں ایک معزز عہدہ پر فائز تھے۔ اس ریاست کا ہندو راجہ نہایت شریف اور معزز شخص تھا۔ مولوی رحمٰن علی کا نام ان کے بڑے بھائی کے نام امان علی کے وزن پر اسی ہندو راجہ کا تجویز کردہ ہے۔ان کے اخراجات کے لئے راجہ نے کئی گاؤں مولوی رحمٰن علی کی نذر کئے تھے جس کی آمدنی انہوں نے مساجد کے اخراجات کے لئے وقف کر دی تھی۔ان کا تذکرہ کتاب کے مترجم محمد ایوب قادری نے ''تذکرہ علمائے ہند'' کے مقدمہ میں کیا ہے۔(۲)

خان بہادر مولوی رحمٰن علی جس وقت ''تذکرہ علمائے ہند'' قلم بند کررہے تھے، علامہ شبلی سے ''جامہ'' کے رواج کے سلسلہ میں استفسار کیا کہ اس کا رواج کب ہوا؟۔اس کے جواب میں علامہ شبلی نے جو لکھا تھا وہ خط میرے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں شامل ہے۔(۳) اب اسے ''مکتوبات شبلی'' کے طبع جدید میں شائع کر دیا گیا ہے۔اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان پہلے سے روابط تھے اور دونوں ایک دوسرے کے مقام ومرتبہ سے واقف تھے۔

یہ خط پروفیسر غلام مصطفٰے خاں [۱۹۱۲-۲۰۰۵ء] استاد جامعہ کراچی کو مولوی رحمٰن علی کے کتب خانہ واقع ریواں میں ملا تھا۔انہوں نے اس کی نقل مولانا سید سلیمان ندوی کو بھیجی اور اپنے مجموعہ مضامین ''علمی نقوش'' کے ایک حاشیہ میں بھی درج کر دیا تھا۔مکتوبات شبلی میں یہ خط وہیں سے نقل کیا گیا ہے۔

ریواں میں مولوی رحمٰن علی کا ایک بڑا قیمتی کتب خانہ تھا، جوان کی وفات کے بعد عدم توجہی کے سبب برباد ہورہا تھا۔ چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی نے کوشش کی کہ یہ قیمتی کتب خانہ علامہ شبلی کی یادگار دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ منتقل ہوجائے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کو بھی انہوں نے اس جانب متوجہ کیا، چنانچہ انہوں نے بھی کوشش کی اوران کے صاحبزادے سے خط وکتابت کی، مگر کامیابی نہیں ملی۔ (۴)

حواشی

(۱) تذکرہ علمائے ہند۔ مترجمہ محمد ایوب قادری، مقدمہ ڈاکٹر سید معین الحق، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۴۳۶۔۴۳۷

(۲) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳۔۲۹

(۳) ''جامہ'' کی تفصیل دستیاب نہ ہوسکی۔

(۴) پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں۔ علمی نقوش ص ۲۴۴۔۲۴۵، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۸۲ء

امیر مینائی

[۱۸۲۹۔۱۹۰۰ء]

منشی امیر احمد، امیر مینائی اردو شاعری کے اخیر دور کے ایک تاجدار تھے، ان کا تعلق مخدوم شاہ مینا کے خانوادے سے تھا۔ ۲۱رفروری ۱۸۲۹ء کو لکھنو میں پیدا ہوئے۔ یہیں ان کی تعلیم وتربیت بھی ہوئی۔ شعروادب سے دلچسپی بچپن ہی سے تھی اور تاحیات قائم رہی۔ مختلف علوم و فنون اور شعروادب کے ساتھ طب، علم جفر اور علم نجوم سے بھی واقف تھے۔ ۱۲راکتوبر ۱۹۰۰ء کو شعروادب کا یہ نیر تاباں غروب ہوا۔

متعدد دواوین اور نثری تصنیفات وتالیفات ان کی یادگار ہیں لیکن ان کا ایک بڑا اہم اور قابل ذکر کارنامہ ''امیر اللغات'' کی تدوین وتصنیف ہے جو اگرچہ نامکمل رہی تاہم اس کی دونوں

جلدوں کو دیکھنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ انتہائی بلند معیار پر یہ کام ہو رہا تھا۔افسوس امیر مینائی اس کی ناتمامی کا داغ اپنے ساتھ لے گئے۔

علامہ شبلی سے ان کے کسی مراسم کی تفصیل دستیاب نہیں ہوئی۔ان کا ایک غیر مطبوعہ خط ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہے۔یہ خط ان کے پوتے اسرائیل مینائی مرحوم نے فراہم کیا تھا۔ افسوس ۸؍جولائی ۲۰۲۱ءکواسرائیل مینائی نے بھی رخت سفر باندھا۔ انالله وانااليه راجعون.

مولانا محمد فاروق چریاکوٹی

[م:۲۸؍اکتوبر ۱۹۰۹ء]

مولانا محمد فاروق چریاکوٹی ہندوستان کے یگانہ روزگار علماء وفضلا میں سے تھے۔انہیں درس وتدریس میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ہندوستان کے مختلف مدارس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔کچھ دنوں تک مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور سے وابستہ رہے۔یہیں علامہ شبلی نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔پھر مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ میں جسے علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ وکیل [م:۱۲؍نومبر ۱۹۰۰ء] نے قائم کیا تھا، مدرس مقرر ہوئے۔علامہ شبلی نے ان سے تکمیل یہیں اعظم گڑھ میں کی تھی۔

وہ ندوہ اور بعض دوسرے مدارس میں بھی درس وتدریس پر مامور رہے۔ان کے چشمہ فیض سے سیکڑوں اشخاص فیضیاب ہوئے۔ان میں علامہ شبلی کا نام سب سے نمایاں ہے۔علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ ''میری تمام تر کائنات انہیں کے افادات ہیں۔''(۱)

مولانا فاروق چریاکوٹی کو اپنے شاگرد علامہ شبلی سے بڑا گہرا اور قلبی تعلق تھا۔ان کی تعلیم وتربیت بھی بڑے مشفقانہ انداز میں کی تھی۔نعمانی کا لقب انہیں کا دیا ہوا ہے۔وہ علامہ شبلی سے اکثر فخر یہ انداز میں انا اسد و انت شبلی. [میں شیر ہوں اور تو شیر کا بچہ] کہا کرتے تھے(۲)

مولانا فاروق چریاکوٹی نے ۲۸؍اکتوبر ۱۹۰۹ءکو غازی پور میں انتقال کیا۔

علامہ شبلی کے نام مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کے عربی خطوط ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کو دارالمصنّفین ہی کے کسی گوشہ میں ملے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اردو ترجمہ وحواشی کے ساتھ ان خطوط کو ماہنامہ معارف [جون ۱۹۸۸ء] میں شائع کرایا۔ ان عربی خطوط کے علاوہ ان کا کوئی اور خط اب تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ ان کے نام علامہ شبلی کا بھی کوئی خط کہیں دستیاب نہیں ہے۔ مکاتیب شبلی اور مکتوبات شبلی کے اوراق بھی ان سے خالی ہیں۔ حالاں کہ دونوں کے درمیان خط و کتابت کا ذکر ملتا ہے۔

حواشی

(۱) ماہنامہ الندوہ لکھنؤ اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲) حیات شبلی ص ۹۲، طبع جدید ۲۰۰۸ء

مولانا محمد ارشاد حسین رام پوری

[۱۸۳۳-۱۸۹۷ء]

مولانا محمد ارشاد حسین مجددی رام پوریؒ علامہ شبلی کے فقہ کے استاذ تھے۔ علامہ شبلی نے ان کے سامنے ۷۵-۱۸۷۴ء میں رام پور میں زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ بقول مولانا سید سلیمان ندوی اپنے استاذ کی وسعت نظر، اصابت رائے اور مجتہدانہ ژرف نگاہی کے وہ ہمیشہ معترف و مداح رہے۔ یقیناً استاد اور شاگرد کے درمیان خط و کتابت رہی ہوگی، مگر ''سیرۃ النعمان'' کے زمانہ تصنیف کے ایک استفسار اور اس کے جواب کے سوا کسی اور خط کا ابتک سراغ نہیں لگا۔ یہ استفسار اور اس کا جواب فتاویٰ ارشادیہ سے مکتوبات شبلی میں نقل کیا گیا ہے۔

علامہ شبلی کا یہ استفسار کئی حیثیتوں سے بہت اہم ہے۔ مکتوبات شبلی میں وہ استفسار اور اس کا جواب شامل ہے۔ (۲) اس سے نہ صرف علامہ شبلی کی فقہ سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ان کے استاد کی فقہی بصیرت اور ژرف نگاہی کا بھی کا ندازہ ہوتا ہے۔

حوالے

(۱) حیات شبلی ص ۹۵
(۲) مکتوبات شبلی ص ۴۴-۴۵

ڈپٹی نذیر احمد

[۱۸۳۶-۱۹۱۲ء]

اردو کے بنیاد گذاروں میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کا نام کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اردو میں ناول نگاری کی بنیاد انہیں کے مبارک ہاتھوں پڑی۔ انہوں نے اپنی بچیوں کی تربیت کے لئے جو ناول لکھے تھے وہ ہر بچی کی تربیت کے لئے مفید اور کار آمد ٹھہرے۔ اردو کی ترقی میں ان ناولوں کا بڑا حصہ ہے۔ مراۃ العروس [۱۸۶۹ء]، بنات النعش [۱۸۷۳ء]، توبۃ النصوح [۱۸۷۷ء] اور ابن الوقت [۱۸۸۸ء] وغیرہ ناول ڈپٹی نذیر احمد کا بڑا عظیم الشان کارنامہ ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۱۸۳۶ء میں بجنور میں پیدا ہوئے۔ مولوی عبدالخالق کی شاگردی میں ان کے ساتھ دہلی آئے۔ پھر دلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ مولوی ذکاء اللہ، مولوی محمد حسین آزاد، منشی کریم الدین اور پیارے لال آشوب ان کے ہم عصر بلکہ ہم سبق تھے۔ تحصیل علم کے بعد پنجاب میں مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے۔ تحصیل دار اور افسر بندوبست کے عہدوں پر بھی فائز رہے۔ ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۲ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی سے ایل، ایل، ڈی کی اعزازی ڈگری ملی۔ ۱۹۱۲ء میں دہلی میں وفات پائی۔

ڈپٹی نذیر احمد ناول نگار اور بڑے اہل قلم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے خطیب و مقرر بھی تھے۔ گرجدار آواز کی وجہ سے مجمعے پر چھا جاتے۔ قرآن وحدیث سے استدلال کر کے اپنی بات مدلل انداز میں پیش کرتے۔ ان کے خطبات کے مجموعے شایع ہو چکے ہیں۔

علامہ شبلی عمر میں ان سے ۲۱/برس چھوٹے تھے۔ باوجود اس کے ڈپٹی نذیر احمد ان کی

بڑی پذیرائی کرتے۔ایک بار علی گڑھ اسٹریچی ہال میں ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ مولانا شبلی بھی موجود تھے۔ڈپٹی نذیر احمد تقریر کر رہے تھے۔انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا کہ ''میں نے کسی زمانہ میں عربی اچھی پڑھی تھی۔اب تو ایسا ذہول ہو گیا ہے کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ دیں تو بغلیں جھانکنی پڑیں۔''(حیات شبلی ص ۶۱۵)

وہ اپنے لکچر سے پہلے اکثر اپنی سیدھی سادی نظمیں سناتے تھے۔اسی طرح کے ایک لکچر میں انہوں نے مجمعے میں اپنا یہ شعر سنایا:

تم اپنی نثر کو لو نظم کو چھوڑو نذیر احمد
کہ اس کے واسطے موزوں ہیں حالی اور نعمانی

خود سے بیس سال چھوٹے شخص کی شاعری اور عربی دانی کی مجمعے عام میں داد و تحسین ایک اہم بات ہے۔یہ بزرگوں کی بزرگانہ باتیں ہیں جو انہیں پر ختم ہو گئیں۔ان کے اور علامہ شبلی کے درمیان خط و کتابت تھی۔علامہ شبلی کے ایک شاگرد مولانا ضیاء الحسن علوی نے اپنی خودنوشت ''یاد ایام'' میں یہ بات لکھی ہے، بلکہ انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ بیماری کے زمانہ میں علامہ شبلی انہی سے جوابات لکھواتے تھے۔(یاد ایام ص ۸۰)

علامہ شبلی کا کوئی خط مولوی نذیر احمد کے نام محفوظ نہیں رہا، البتہ مولوی نذیر احمد کے بعض خطوط کے اقتباسات علامہ شبلی نے نقل کر دئے تھے اس لئے محفوظ رہے۔یہ اقتباسات انجمن ترقی اردو کے زمانہ کے ہیں جس کے علامہ شبلی سکریٹری اور مولوی نذیر احمد نائب صدر تھے۔ان سے دونوں بزرگوں کی انجمن ترقی اردو سے دلچسپی اور اردو کی خدمت کا اظہار ہوتا ہے۔

نواب محسن الملک

[۱۸۳۷-۱۹۰۷ء]

مولوی مہدی علی خاں معروف بہ نواب محسن الملک علی گڑھ تحریک کے کاروان اول کے

رکن تھے۔ سرسید کے بعد علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی رہے۔ سرسید کے بعد نامساعد حالات میں انہوں نے ان کی جانشینی کی۔ ان سے علامہ شبلی کے بڑے گہرے، مخلصانہ اور بے تکلفانہ مراسم تھے۔ مدۃ العمر ان کی خواہش رہی کی علامہ شبلی علی گڑھ واپس آجائیں۔ اس کے لئے انہوں نے انگریزی حکومت سے بھی گفتگو کر کے راہ ہموار کی مگر علامہ شبلی نے ندوہ کے آگے اپنے احباب کی تمام خواہشیں مسترد کر دیں۔

علامہ شبلی نعمانی ایک بار سخت علیل ہوئے تو نواب محسن الملک ان کی عیادت کے لئے اعظم گڑھ تشریف لائے اور شبلی منزل میں تین دن قیام کیا۔ ملاقات کے لئے ندوہ بھی بارہا آئے۔ ۱۹۰۷ء میں جب انہوں نے وفات پائی تو علامہ شبلی نے ''ہائے محسن الملک'' کے عنوان سے ماہنامہ الندوہ لکھنو [اکتوبر ۱۹۰۷ء] میں ان کا بڑا غم انگیز ماتم لکھا۔ دونوں کے مخلصانہ تعلقات پر راقم نے بہت مفصل مقالہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ اگست ۲۰۱۹ء میں لکھا ہے۔ یہ مقالہ اب ناچیز کے مجموعہ مقالات ''نقوش شبلی'' میں شامل ہے۔

ان کی خط و کتابت کی داستان نسبتاً لمبی ہونی چاہئے تھی، مگر ان کے نام علامہ شبلی کے محض ۴ رخطوط، دو مکاتیب شبلی میں اور دو مکتوبات شبلی میں شامل ہیں۔ علامہ شبلی ایک بار حیدر آباد گئے تو یاروں نے توچہ می گوئیاں کیں۔ نواب محسن الملک نے صورت حال دریافت کی تو انہیں لکھا کہ

> ''مولوی صاحب روپیہ اور دولت کی قدر مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں، میں کچھ ابراہیم ادہم یا بایزید نہیں ہوں۔ میرا تو رواں رواں دنیا کی خواہشوں سے جکڑا ہوا ہے، لیکن دنیا کو سلیقہ کے ساتھ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے جوڑ توڑ، سازش، درباداری، خوشامد، لوگوں کی جھوٹی آؤ بھگت نہیں ہو سکتی اور بغیر اس کے کامیابی معلوم۔''(۱)

حواشی

(۱) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۱۸

خواجہ الطاف حسین حاؔلی

[۱۸۳۷-۱۹۱۴ء]

مولانا خواجہ الطاف حسین حاؔلی مرزا غالب [۱۷۹۷-۱۸۶۹ء] کے شاگرد تھے۔ان کا شمار اردو کے معماروں میں ہوتا ہے۔ان کے ذکر کے بغیر اردو شعر و ادب کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔انہوں نے اردو کو آبرو بخشی اور شعر و ادب کے مختلف میدانوں میں وہ کارہائے نمایاں انجام دئے جوان سے پہلے ہماری ادبی روایت کا حصہ نہ تھے۔ان کے مقدمہ شعر و شاعری نے اردو میں ایک انقلاب برپا کیا۔اور آج بھی وہ مقدمہ تنقید کے دستور اساسی کا حکم رکھتا ہے۔وہ ادیب وانشاپرداز، شاعر، نقاد اور بلند پایہ سوانح نگار تھے۔مدوجزر اسلام [مسدس حالی، مطبوعہ ۱۸۷۹ء] حیات سعدی [مطبوعہ ۱۸۸۶ء] دیوان حالی [۱۸۹۳ء] مقدمہ شعر و شاعری [مطبوعہ: ۱۸۹۳ء] یادگار غالب [مط: ۱۸۹۷ء] حیات جاوید [مط: ۱۹۰۱ء] ان کی اہم علمی ادبی، تاریخی اور سوانحی یادگاریں ہیں۔

مولانا حاؔلی شرافت و مروت میں انسان نہیں فرشتہ تھے۔عمر میں علامہ شبلی سے بیس برس بڑے ہونے کے باوجود ان کی عزت وتکریم اور اعتراف علم وفضل میں کمی نہ کرتے۔فرماتے ہیں:

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحید عصر و یکتائے زمن دیکھیں

علامہ شبلی نے بھی مولانا حالی کی قدر ومنزلت اور عزت وعظمت کا ہمیشہ خیال رکھا۔ان کے فضل وکمال، تصنیفات، سوانح نگاری اور علمی اجتہادات کا برملا اعتراف کیا ہے۔البتہ سرسید احمد خاں کی سوانح عمری ''حیات جاوید'' [مطبوعہ ۱۹۰۱ء] کے بارے میں ان کے خیالات ان کی دیگر کاوشوں کے برعکس تھے۔اسے انہوں نے کتاب المناقب اور مدلل مداحی قرار دیا ہے۔

خواجہ الطاف حسین حاؔلی [۱۸۳۷-۱۹۱۴ء] سے علامہ شبلی کے بڑے گہرے مراسم تھے۔جس کی تفصیل راقم کی کتاب ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' آچکی ہے اور کسی قدر ان مکتوبات شبلی

میں بھی ہے۔

مولانا حالی کے نام علامہ شبلی کا کوئی خط مکاتیب شبلی اور مکتوبات شبلی میں شامل نہیں ہے۔ البتہ علامہ شبلی کے نام حالی کے چار خطوط دستیاب ہیں۔ یہ خطوط ماہنامہ معارف [ستمبر، دسمبر ۱۹۱۶ء، اپریل، جولائی ۱۹۱۷ء] میں چھپے ہیں۔ان سے بھی دونوں کے محبت آمیز تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔خاص طور پر علامہ شبلی کے علی گڑھ سے ترک تعلق کے بعد وہاں کے نازک حالات کا مولانا حالی نے ان سے کالج کے احوال کا جس انداز میں ذکر کیا ہے، وہ دونوں کے ذہنی اشتراک کا بھی پتہ دیتا ہے۔ابتک حالی و شبلی پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں ان خطوط سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلی و حالی کے تعلقات کا صحیح محاکمہ نہیں ہوسکا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ان خطوط کے بغیر صحیح محاکمہ ہو بھی نہیں سکتا۔

خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی

[۱۸۳۷-۱۹۱۵ء]

خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی سابق پروفیسر کیننگ کالج لکھنو اردو و فارسی کے نہایت ممتاز اور باکمال شاعر تھے۔مثنوی قیصر نامہ اور کلیات عزیز ان کی دو مشہور کاوشیں ہیں۔علامہ شبلی سے ان کے بڑے گہرے اور مخلصانہ مراسم تھے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ

> ''مولانا کو ان کی خدمت میں عزیزانہ نیاز حاصل تھا۔فارسی مذاق کی یک جہتی دونوں میں رشتہ اتحاد تھا۔اکثر مولانا ان کے ہاں جایا کرتے تھے، کبھی کبھی انہی کے گھر پر قیام کرتے تھے۔مکاتیب میں خواجہ صاحب کا اکثر خطوں میں ذکر ہے۔'' (مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۳۲۷)

اس کا آغاز علامہ شبلی زمانہ قیام علی گڑھ سے ہوا۔ بعد میں جب علامہ شبلی لکھنو آ گئے تو اس میں مزید گہرائی پیدا ہوگئی۔۱۹۰۷ء میں علامہ شبلی کے گز ندپا کا حادثہ پیش آیا۔اس واقعہ پر خواجہ

صاحب نے ایک رباعی کہی جوان کے کلیات میں محفوظ ہے۔علامہ شبلی ان کے شاعرانہ کمالات بڑے معترف تھے۔اس کی شہادت احسن اللہ خاں ثاقب کی ایک فارسی تحریر سے بھی ملتی ہے۔(۱)

خواجہ صاحب کے نام علامہ شبلی کا کوئی خط دستیاب نہیں۔البتہ کلیات عزیز میں خواجہ صاحب کے تین فارسی خطوط جوعلامہ شبلی کے نام لکھے گئے ہیں شامل ہیں۔ان مکاتیب سے دونوں کے درمیان گہرے روابط کاعلم ہوتا ہے۔(۲) چونکہ خواجہ صاحب نے علامہ شبلی کی وفات پران کی تاریخ کہی تھی،اس لئے ہم نے ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' ان کا ذکر کیا ہے۔

حواشی

(۱) گوہرین نامہ ص ۴۷

(۲) شبلی سخنوروں کی نظر میں ص ۴۳ تا ۴۴

نواب اقبال یار جنگ

[۱۸۳۸-۱۹۰۳ء]

نواب اقبال یار جنگ اورنگ آباد کے ایک ایسے سید خاندان کے چشم و چراغ تھے جو علم و فضل میں ممتاز اور یکتائے روزگار تھا۔وہ مختلف علوم وفنون کے جامع تھے۔انہیں علوم معقول و منقول میں کمال دسترس حاصل تھا۔شعروادب سے بھی گہری دلچسپی تھی اور دادسخن بھی دیتے تھے۔ ان کا مجموعہ کلام بھی تھا۔ چنانچہ انہی امتیازات کی وجہ سے وہ نواب وقارالامرا کے اتالیق مقرر ہوئے۔بعد ازاں نواب میرمحبوب علی خاں اورنواب میر عثمان علی خاں کے بھی اتالیق منتخب ہوئے۔ان نوابان حیدرآباد کی اتالیقی کے سبب حکومت میں ان کا بڑاادب واحترام تھا۔وہ ریاست حیدرآباد کے کئی معزز عہدوں پر فائز رہے مگران کا سب سے بڑا کارنامہ دائرۃ المعارف النظامیہ اور جامعہ نظامیہ کی تعمیر وترقی ہے۔دائرۃ المعارف کا قیام ۱۸۸۰ء میں گو نواب عمادالملک سید حسین بلگرامی اور مولانا انواراللہ خاں کی کوششوں سے عمل میں آیا تھا،تاہم اسے اصل ترقی

نواب اقبال یار جنگ کی بدولت نصیب ہوئی۔

علامہ شبلی سے ان کے مراسم تھے۔ دائرۃ المعارف سے قدیم مراجع ومصادر کی شاندار اشاعت ان کا بڑا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ ان میں یہ آگ علامہ شبلی ہی کی لگائی ہوئی تھی۔ علامہ شبلی روم ومصروشام کے علمی سفر سے جب واپس آئے اور ''سفرنامہ روم ومصروشام'' سپرد قلم کیا تو اس میں حیدرآباد کے دائرۃ المعارف اور نواب اقبال یار جنگ کا بھی تذکرہ کیا اور لکھا کہ

> ''حیدرآباد میں دائرۃ المعارف الدکنیہ کے نام سے جو انجمن قائم ہے اور جس کے ایک معزز ممبر نواب اقبال یار جنگ بہادر ہیں، ہم کو یقین ہے کہ وہ یقیناً ہماری گذارش پر توجہ دیں گے۔ ہم شکر گذاری کے ساتھ ان کی علمی فیاضیوں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہم کو اس سے زیادہ فیاضیوں کی ضرورت ہے اور ہم کو امید ہے کہ دائرۃ المعارف اور زیادہ توجہ اور اہتمام سے اس مقصد کی طرف گامزن ہوگا۔'' (سفرنامہ روم ومصروشام ص۱۰۲)

یہ بات نواب اقبال یار جنگ کے دل میں اتر گئی اور جب وہ دائرۃ المعارف کے معتمد بنائے گئے تو انہوں نے بے شمار قدیم عربی مصادر کے اردو تراجم بڑے اہتمام سے شائع ہوئے۔ ان کے شوق وذوق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو وہ دائرۃ المعارف کے اسٹاف کی اپنے گھر پر ضیافت کا اہتمام کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی بدولت دائرۃ المعارف کو عباسیوں کے بیت الحکمت سے تشبیہ دی گئی۔ علامہ شبلی نے بھی اس سلسلہ میں ان کی ستائش کی ہے۔ (اقبال یار جنگ کی علمی وسماجی خدمات ص۴)

نواب اقبال یار جنگ نے دائرۃ المعارف کی معتمدی کے زمانہ میں علامہ شبلی سے خط و کتابت کی۔ اس سلسلہ کے ان کے تین خطوط ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہیں۔ یہ تینوں خطوط کتب اور کتب خانہ کے حوالہ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ نواب صاحب نے انہیں حیدرآباد بلایا اور دائرۃ المعارف کی مجالس میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ علامہ شبلی گئے تو خالی ہاتھ نہ گئے۔ اپنے ساتھ ایک مفصل یادداشت بھی لے کر گئے، جس میں حسب ذیل امور کا ذکر ہے۔

۱۔تصریح وتعین کتب ائمہ فن قابل طبع

۲۔تعیین مقامات جہاں سے وہ کتب دستیاب ہوسکتی ہیں۔

۳۔طریقہ اشاعت کتب مطبوعہ جومجلس کے سرمایہ کی ترقی کا سبب ہو۔

کتب خانہ سے متعلق مذکورہ بنیادی باتوں پر مشتمل ایک مفصل یادداشت علامہ شبلی نے تیار کی تھی جو''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہے۔(۱) اس سلسلہ کا علامہ شبلی کا تیسرا خط خاص طور پر آج بھی اہل علم کے لئے مہمیز کا کام کرے گا۔

حوالے

(۱) مکتوبات شبلی ص ۲۲۸۔۲۳۰

مولانا مسیح الزماں خاں

[۱۸۴۰-۱۹۱۰ء]

نظام حیدرآباد کے استاذ مولانا مسیح الزماں خاں صاحب بڑے پایہ کے عالم دین تھے۔ کچھ دنوں تک ندوہ کے مہتمم بھی رہے۔۱۸۴۰ء میں اپنے وطن شاہ جہاں پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حیدرآباد دکن آئے۔اور اپنے بھائی مولوی محمد زماں خاں سے تحصیل کی۔ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ نظام حیدرآباد کی اتالیقی پر مامور ہوئے۔

مولانا مسیح الزماں خاں کا شمار حیدرآباد کے جید بلکہ جلیل القدر علماء میں ہوتا تھا۔نظام کے استاذ ہونے کے سبب دربار حیدرآباد میں ان کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔آخر میں وطن شاہ جہانپور کی طرف مراجعت کی اور وہیں ۱۹۱۰ء میں وفات پائی۔ان کے حالات وسوانح کے لئے ملاحظہ ہو''حیات مسیح''،از محمد مظفر حسین سلیمانی،مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ،طبع اول ۱۹۱۱ء۔

ان کے نام علامہ شبلی نعمانی کا محض ایک ہی خط دستیاب ہے۔اور وہ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہے۔

نواب وقارالملک

[۱۸۴۱-۱۹۱۷ء]

نواب وقارالملک کا نام مشتاق حسین تھا۔ اصلاً سراواں ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے، مگر بچپن میں والد کے انتقال کے سبب ان کی والدہ امروہہ چلی آئیں اور پھر یہی ان کا وطن ٹھہرا۔ یہیں انہوں نے تعلیم حاصل کی اور یہیں ایک اسکول میں مدرس ہوئے۔ پھر محرر ہوکر مرادآباد آئے۔ قحط کے زمانہ میں سرسید احمد خاں کا تبادلہ مرادآباد ہوا تو انہوں نے نواب وقارالملک کوراحت رسانی کے کاموں کا ذمہ دار بنایا، جسے انہوں نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ یہیں سرسیداحمد خاں سے گہرے مراسم قائم ہوئے جو تاحیات باقی رہے۔ مگر جب انہوں نے سیدمحمود [۱۸۵۰-۱۹۰۳ء] کو اپنا جانشین بنایا تو اوروں کے ساتھ نواب وقارالملک نے بھی ان کی مخالفت کی اور ان کو لکھا کہ اسلام میں دو ہی شخص گذرے ہیں، ایک معاویہ جنہوں نے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور ایک آپ جو سیدمحمود کو اپنا جانشین بنارہے ہیں۔ (وفیات معارف ص ۳۵)

نواب وقارالملک نے کے مختلف عہدوں پر کام کیا۔ ریاست حیدرآباد سے بھی وابستہ رہے۔ وظیفہ کے بعد وہ علی گڑھ آئے اور سرسیداحمد خاں کے کاموں میں ہاتھ بٹایا۔ مسلم لیگ کے قیام میں ان کی آرا کو بھی دخل تھا بلکہ ان کا شمار مسلم لیگ کے بنیادگذاروں میں ہوتا ہے۔

سرسیداحمد خاں کی وفات کے بعد وہ علی گڑھ کالج کے بورڈ آف ٹرسٹی اور آنریری سکریٹری نامزد ہوئے۔ انہیں کے زمانہ میں مسلم یونیورسٹی کی تحریک برپا ہوئی اور انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاکر یونیورسٹی کے لئے اتنا چندہ جمع کیا کہ یونیورسٹی کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ ۲۷رجنوری ۱۹۱۷ء کو امروہہ میں وفات پائی۔

علامہ شبلی سے بھی گہرے مراسم تھے۔ خط وکتابت بھی تھی۔ مکاتیب شبلی حصہ اول میں ان کے نام ایک خط اور مکتوبات شبلی میں دوخطوط شامل ہیں۔ ان خطوط سے دونوں کے درمیان گہرے ربط وتعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔

شبلی وسرسید کی طرح نواب وقار الملک اور علامہ شبلی کے سیاسی نقطہ نظر میں بھی اختلاف تھا۔ وہ مسلم لیگ کے بانیوں میں تھے اور علامہ شبلی مخالفین میں غالباً سرفہرست تھے۔

اسی طرح آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس میں گوپال کرشن گوکھلے کی اسکیم جبری تعلیم بل کو لے کر دونوں کے درمیان شدید اختلاف ہوا۔ یہ قرارداد مولانا محمد علی جوہر نے پیش کی تھی۔ علامہ شبلی اس کے حق میں تھے جبکہ نواب وقار الملک نے اس کی شدید مخالفت کی تاہم دونوں کے ذاتی تعلقات ہمیشہ استوار اور بہت اچھے رہے۔

مولانا محمد اشرف علی۔ ایم اے

[۱۸۴۳-۱۹۰۸ء]

علمائے صادق پور میں مولانا محمد اشرف علی ایم اے بڑے لائق فائق اور عالم فاضل تھے۔ علوم دینیہ کے ساتھ علوم جدیدہ انگریزی زبان وادب، ریاضی اور طب وغیرہ میں بھی انہیں درک ومہارت حاصل تھی۔ اس زمانہ میں عربی میں ایم اے پاس تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنے خط میں ان کے بلند فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔(۱)

مولانا محمد اشرف علی کچھ دنوں تک منشی نول کشور کے اودھ اخبار لکھنو کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے بعد بنارس ہندو یونیورسٹی میں ریاضی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ فارسی میں داد سخن دی۔ بلکہ فارسی کے بلند رتبہ شاعر تھے۔

علامہ شبلی سے بڑے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ انہیں انجمن ترقی اردو سے وابستہ کرنا چاہا تھا مگر شاید کامیابی نہیں ملی۔ عہد شبلی کی انجمن ترقی اردو کی کسی فہرست میں ان کا نام نہیں ہے۔

حواشی

(۱) مکتوبات شبلی ص ۷۰

سید حسین بلگرامی

[۱۸۴۴-۱۹۳۶ء]

نواب عمادالملک سید حسین بلگرامی اودھ کے مشہور ذی علم قصبہ بلگرام کے ممتاز اہل علم تھے۔ متعدد زبانوں انگریزی، فرانسیسی، بنگالی، عربی اور فارسی کے ماہر تھے۔ مشرقی علوم کی تحصیل کے بعد بھاگلپور، پٹنہ اور کلکتہ کے انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ انگریزی زبان کے ایک بڑے ادیب وانشا پرداز تھے۔ انگریزی نہایت سلیس اور سادہ لکھتے تھے۔ اور نہ صرف انگریزی نثر میں یدطولی رکھتے تھے، بلکہ انگریزی میں شاعری پر بھی قدرت تھی۔

اردو زبان پر بھی دست رس حاصل تھی۔ بڑی سلیس، شائستہ اور شگفتہ نثر لکھتے تھے۔ ان کے اردو مضامین کا ایک مجموعہ ''رسائل عمادالملک'' معارف پریس اعظم گڑھ سے غالباً ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک اور ادبی کارنامہ ''انتخاب دیوان میر'' بھی ہے۔

عمادالملک ۱۸۷۳ء میں ریاست حیدرآباد سے وابستہ ہوئے۔ پہلے سرسالار جنگ کے پرسنل اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں تک نواب میر محبوب علی خاں کے پرائیویٹ سکریٹری رہے۔ عمادالدولہ اور عمادالملک کے خطابات سے نوازے گئے۔ میر عثمان علی خاں کی تعلیم و تربیت کے نگراں رہے۔ بعدازاں محکمہ تعلیمات کے ڈائرکٹر منتخب ہوئے۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۰۹ء تک انگلستان میں وزیر ہند کے معزز عہدہ پر فائز رہے۔ علامہ شبلی کی وفات کے بعد دارالمصنّفین کی مجلس انتظامیہ منتخب ہوئی تو اس کے صدر بنائے گئے۔ اس عہدہ پر وہ تاحیات متمکن رہے۔

۳؍جون ۱۹۲۶ء کو یہ آفتاب تعلیم وتدبر غروب ہوگیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کی وفات پر ماہنامہ معارف کے صفحات میں جو آنسو بہائے تھے، اس کے چند قطرے یہ ہیں۔

> ''نواب عمادالملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی کی وفات ایک ایسا جاں گداز حادثہ ہے، جس پر قدیم وجدید دونوں گروہ یکساں رنج والم کے ساتھ ماتم کریں گے۔ ایک طرف تو وہ انگریزی زبان کے بہت بڑے عالم

اورانشا پرداز تھے۔ دوسری طرف قدیم مشرقی علوم وفنون میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اوران کے بقاوقیام اوراشاعت میں نہایت دلچسپی اور ہمدردی کے ساتھ ہر ممکن اعانت کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ دائرۃ المعارف، دارالمصنّفین، ندوہ، مسلم یونیورسٹی ،غرض اس وقت قدیم وجدید علوم وفنون کے جس قدر مرکز قائم ہیں،سب کے سب ان کی علمی دلچسپی ،اعانت اور علمی سرپرستی کے ممنون ہیں۔''(۱)

علامہ شبلی سے بڑے گہرے اور نج کے تعلقات تھے۔ان کا انہوں نے ہمیشہ تعاون کیا۔ اس تعلق کا آغاز۱۸۹۲ء میں اس وقت ہوا جب علامہ شبلی سرسید احمد خاں کے ساتھ حیدرآباد گئے تھے۔ وہ علامہ شبلی کے بڑے قدرداں تھے۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے نصاب کا خاکہ تیار کرنے کے لئے علامہ شبلی کا انتخاب انہی کے اشارہ پر ہوا تھا۔اس سلسلہ میں انہوں نے علامہ شبلی کو جو خط لکھا تھا وہ حال میں دریافت ہوا ہے۔

علامہ شبلی کے وظیفہ میں اضافہ انہیں کی کوششوں سے ہوا تھا۔ بعد میں اسے دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کے نام منتقل کرانے میں بھی انہوں نے حصہ لیا۔اپنی جیب خاص سے بھی وہ دارالمصنّفین کوسوروپئے سالانہ مرحمت فرماتے تھے۔(۲)

علامہ شبلی کی تحریک پراپنا قیمتی کتب خانہ ندوہ کونذر کیا۔اورانہی کی تحریک پرانہوں نے انگریزی ترجمہ قرآن مجید کا کام شروع کیا تھا جو ۱۶/ پاروں تک پہنچ کر علامہ شبلی کی وفات کے سبب رکا تو پھر ہمیشہ کے لئے رک گیا۔اس ترجمہ میں بقول مولانا سید سلیمان ندوی بالکل بائبل کی زبان اختیار کی ہے۔

علامہ شبلی سے خط وکتابت اسی ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔علامہ شبلی کے نام ان کے سات خطوط ماہنامہ معارف [فروری ۱۹۶۵ء] میں چھپے ہیں۔راقم نے انہیں اپنی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں نقل کر دیا ہے۔(۳) البتہ ان کے نام علامہ شبلی کا کوئی خط ابتک دستیاب نہیں ہوا ہے۔

حوالے

(۱) وفیات معارف ص۵۹

(۲) ایضاً ص۶۰-۶۱

(۱) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ص۱۲۳

مولانا محمد علی مونگیریؒ

[۱۸۴۶-۱۹۲۷ء]

تحریک ندوۃ العلما کے بانی اور دارالعلوم ندوہ کے پہلے ناظم مولانا محمد علی مونگیریؒ ہندوستان کے ایک بڑے عالم دین اور ممتاز بزرگ تھے۔ علامہ شبلی نعمانی سے ان کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ مولانا مونگیری اصلاً بانی تحریک ندوۃ العلما ہیں۔ یہ دونوں مرد جلیل بعض نااتفاقیوں کے باوجود آخر تک ساتھ ساتھ رہے۔ گوایک موقع پر علامہ شبلی سے انہیں بدگمانی ہوگئی تھی، تاہم علامہ شبلی کی صفائی کے بعد شاید گلہ جاتا رہا۔ وہ خط مکتوبات شبلی میں شامل ہے۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ کان پور میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہوگئے تھے۔ جد امجد نے پرورش و پرداخت کی۔ قرآن مجید عم محترم سید ظہور علی سے اور فارسی کی کتابیں مولانا سید عبدالواحد بلگرامی سے پڑھیں۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مفتی عنایت احمد سے درسیات کی تکمیل کی۔ یہ مدرسہ فیض عام کانپور کے اولین طلبہ میں تھے۔ تحصیل علم کے بعد علماء کی صحبت اور محنت و ریاضت سے بلند مقام تک پہنچے۔ ہندوستان کی تاریخ میں تحریک ندوہ ان کا بڑا عظیم الشان کارنامہ ہے جس نے مسلمانوں کے اندر ایک نئی روح پھونکی۔ اس میں علامہ شبلی ان کے شریک کار رہے۔

''مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں ان کے نام دو خط جبکہ ''مکتوبات شبلی'' میں ۳؍خطوط شامل ہیں۔ ان خطوط میں ندوہ اور ماہنامہ الندوہ کا ذکر ہے۔

اکبرالہ آبادی

[۱۸۴۶-۱۹۲۱ء]

سیداکبرحسین، اکبرالہ آبادیاردو میں طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے باوا آدم تھے۔ مدۃ العمر دادسخن دیتے رہے۔ وہ اکثر اپنے عہد کے مسائل ومعاملات کواشعار میں باندھتے اور معاشرے کو ایک آئینہ دکھادیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری نے ہرطبقہ کو متاثر کیا۔ ان کا دیوان دراصل اپنے عہد کی معاشرتی تاریخ کا درجہ رکھتا ہے۔

علامہ شبلی کے بڑے پرستار تھے۔فرماتے ہیں۔

واہ! کیا بات ہے تیری شبلی
نثر میں بھی ادائے غالب لی

اڈیٹر بول اٹھے دیکھ کر شبلی کے فوٹوکو
اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتب خانہ

اکبرالہ آبادی ۱۶رنومبر ۱۸۴۶ء کوالہ آباد میں پیدا ہوئے۔عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔۱۸۵۶ء میں جمنا مشن اسکول میں داخل ہوئے۔۱۸۶۸ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے نائب تحصیل دار مقرر ہوئے۔۱۸۷۳ء میں وکالت کا اعلیٰ امتحان پاس کیا اور منصفی کے عہدہ پر تعینات ہوئے۔۱۸۹۴ء میں ترقی کر کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں اسی عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ ۹رستمبر ۱۹۲۱ء کوالہ آباد میں وفات پائی۔ان کا کلام ''کلیات اکبر'' کے نام سے تین حصوں میں شائع ہوا ہے۔اب تک اس کے متعدد ایڈیشن مختلف اشاعتی اداروں سے شائع ہو چکے ہیں۔

اکبرعلامہ شبلی نعمانی سے گیارہ سال بڑے تھے۔ باوجود اس کے دونوں میں بڑے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ یہ تعلقات علامہ شبلی کے قیام علی گڑھ کے ابتدائی زمانہ سے تھے۔علامہ شبلی کی

الہ آباد بھی آمد و رفت رہتی تھی۔ دونوں کے درمیان خط و کتابت بھی رہی، مگر اکبر کے نام علامہ شبلی کا کوئی خط ابتک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ البتہ علامہ شبلی کے نام اکبر کا ایک خط راقم کی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شامل ہے۔ (ص ۶۰)

اکبر الہ آبادی نے ایک بار علامہ شبلی کو دعوت دی اور انہیں منظوم رقعہ بھیجا۔

بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی　　آتا نہیں مجھ کو قبلا قبلی
کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات　　تکلیف اٹھاؤ آج کی رات
سمجھو اس کو پلاؤ قلیا　　حاضر جو کچھ ہو دال دَلیا

۲۳ر نومبر ۱۹۰۷ء

علامہ شبلی نے منظوم رقعہ کا جواب منظوم ہی بھیجا۔

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہے ملال　　لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں
آپ کے لطف وکرم کا مجھے انکار نہیں　　حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور ہوں میں
لیکن اب وہ میں نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا　　اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں

دل کے بہلانے کی باتیں ہیں وگر نہ شبلی
جیتے جی مردہ ہوں، مرحوم ہوں، مغفور ہوں میں(۱)

حوالے

(۱)　حیات شبلی ص ۴۷۳، طبع جدید ۲۰۰۸ء

حافظ احمد علی شوقؔ رام پوری

[۱۸۵۲-۱۹۲۵ء]

حافظ احمد علی شوقؔ قدوائی رام پوری نامور اہل علم اور صاحب فضل وکمال تھے۔ رام پورر کے رہنے والے تھے۔ کہنہ مشق ادیب و شاعر اور صحافی تھے۔ اسیر لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

مثنوی کہنے میں خاص مہارت تھی۔انہوں نے متعدد مثنویاں کہیں۔ترانہ شوق اور عالم خیال کے چار رخ وغیرہ ان کی یادگار اور مشہور مثنویاں ہیں۔خاص طور پر ''ترانہ شوق'' نے بڑی شہرت و مقبولیت پائی۔خوب پڑھی گئی اور متعدد تجزیے لکھے گئے۔نثر میں ''تذکرہ کاملان رامپور'' ان کی بہت مشہور کتاب ہے۔عرصہ تک کتب خانہ رامپور کے ذمہ دار رہے اور اس کی بھی ایک تاریخ ''تاریخ کتاب خانہ رام پور'' کے نام سے قلم بند کی ہے۔یہ دونوں نثری کتابیں رام پور رضا لائبریری سے شائع ہو چکی ہیں۔

حافظ احمد علی شوقؔ اپنے عہد کے ایک بڑے باکمال صحافی بھی تھے۔لکھنو سے ۱۸۸۲ء سے ۱۸۹۰ء کے درمیان ''اخبار آزاد'' نکالتے رہے۔یہ اخبار اپنے عہد کے ادبا وشعرا کی خاص توجہ اور ان کے درمیان خاصا مقبول رہا۔اب اس کے شمارے ناپید ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے جس زمانہ میں ''المامون'' لکھی اور مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید کے بجائے مامون رشید کا انتخاب کیا تو ان پر متعدد اعتراضات وارد ہوئے۔یہ اعتراضات اسی مشہور ''اخبار آزاد'' لکھنو میں شائع ہوئے تھے۔معترضین میں ایک اہم نام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی [۱۸۶۷-۱۹۵۰ء] کا بھی شامل تھا۔ان کا اعتراض بھی اسی اخبار کی کسی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔اس اعتراض کے جواب کے لئے احمد علی شوقؔ نے علامہ شبلی نعمانی پر زور ڈالا اور اس کے لئے پے در پے خطوط لکھے۔چنانچہ علامہ شبلی نے اس کا جواب لکھا جو اخبار آزاد میں ۲۲رفروری ۱۸۸۹ء کو شائع ہوا ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی کو یہ جوابی مراسلہ کہیں سے ہاتھ آ گیا تھا، چنانچہ انہوں نے مقالات شبلی جلد ہشتم میں اسے شامل کر دیا ہے۔(۱) علامہ شبلی کا یہ واحد جوابی مراسلہ ہے۔دراصل علامہ شبلی کسی اعتراض کا جواب لکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔اس سلسلہ میں ان کا خیال تھا کہ جب تک کسی کے اعتراض کا جواب لکھیں گے اس وقت میں کوئی دوسرا اور بہتر کام انجام دے سکتے ہیں۔

اس جوابی مراسلہ کے علاوہ اخبار آزاد میں ان کی چند اور تحریریں بھی شائع ہوئی ہیں:

۱۔آرمینیا: ۲۱رفروری ۱۸۹۶ء

۲۔ابن رشد: ۷: دسمبر ۱۸۸۸ء

۳۔اشاعت کتب قدیمہ: ۳؍اپریل ۱۸۹۶ء

حافظ احمد علی شوقؔ رام پور سے گلدستہ نکالتے تھے، جس کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا، اس کے لئے انہوں نے علامہ شبلی کو خط لکھا اور ان سے تازہ کلام کی فرمائش کی۔(۲) چنانچہ انہوں نے اپنی ایک تازہ غزل بھیجی۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

من کہ یک چند زدم مہر خموشی بر لب
کس چہ داند کہ دریں پردہ چہ سودا کردم

یہ خط ۱۲؍جنوری ۱۸۹۸ء کا مکتوبہ ہے۔ اس میں علامہ شبلی نعمانی نے گلدستوں کی اہمیت و افادیت ضمناً بیان کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ گلدستوں کی اہمیت کیونکر ہوتی ہے۔(۳) اس حوالہ سے یہ خط خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ دونوں کے درمیان کسی اور خط کتابت کا علم نہیں ہو سکا۔

حواشی

(۱) مقالات شبلی ج ص ۰۰

(۲) مکتوبات شبلی ص ۹۹

(۳) ایضاً ص ۱۰۰

مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

[۱۸۵۱-۱۹۲۰ء]

اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ ہندوستان کا وہ بطل جلیل جس نے مذہب وملت اور ملک کی آزادی کے لئے اپنا سب سرمایہ حیات قربان کر دیا اور آزادی کے لئے اس وقت جد وجہد شروع کی جب کانگریس کا قیام بھی عمل میں نہیں آیا تھا۔ وہ حضرت مولانا محمد قاسم

نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد رشید، بلند پایہ عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین کے عہدہ پر متمکن رہے۔

تحریک ریشمی رومال انہیں کے دم سے برپا ہوئی، جس میں علماء کی ایک بڑی جماعت شریک ہوئی تھی۔ اس طرح ہندوستان کی تحریک آزادی میں ان کا بھی بڑا نمایاں حصہ ہے۔

عبوری حکومت کے قیام میں بھی ان کا بڑا اہم رول تھا، جس کے وزیراعظم راجہ مہندر پرتاب مقرر ہوئے تھے۔ انہی سرگرمیوں کے سبب انگریزی حکومت نے انہیں گرفتار کر کے مالٹا میں قید کیا۔ اور اذیتیں پہنچائیں۔ یہاں مولانا مرحوم کی صحت بہت مجروح ہوئی۔ اور جو پھر سنبھل نہ سکی اور اسی بیماری میں ۳۰ رنومبر ۱۹۲۰ء کو انہوں نے وفات پائی۔

انالله و اناالیه راجعون

شیخ الہند کے زہد وورع، تقوی وتدین، للہیت اور اصابت فکر پر مسلمانوں کو بڑا اعتماد تھا اور آج بھی ناز ہے۔ وہ علامہ شبلی کے ہم عصر تھے۔ علامہ شبلی کو جب یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کی ذلت ونکبت کے بہت سے اسباب میں ایک یہ بھی ہے کہ ان کے مدارس میں اتفاق واتحاد نہیں، اس لئے ایک ایسا مرکز قایم ہونا چاہئے جو مدارس اور علماء کو ایک سلسلہ وحدت میں پرودے۔ چنانچہ علامہ شبلی کی اس اہم کام کی تکمیل کے لئے نگاہ انتخاب حضرت شیخ الہند پر پڑی اور ان کو ایک خط لکھ کر اس جانب متوجہ کیا۔ حضرت شیخ الہند نے اس کے جواب میں جو خط لکھا تھا وہ راقم کی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شامل ہے۔

بات نہیں بنی اور علامہ شبلی کی آرزو پوری نہیں ہوسکی۔ اسی طرح سیرۃ النبی پر بعض علماء کے اعتراضات اور شور وغوغا سے تنگ آکر مسلمانوں کے عام اتفاق کے لئے کسی عالم دین کے پاس مسودہ سیرت بھیجنا چاہا تو اس کے لئے انہوں نے حضرت شیخ الہند ہی کا انتخاب کیا۔ چنانچہ مسودہ سیرت مولانا عبیداللہ سندھی کے ذریعہ ان کے پاس بھیجا، مگر تحریک وفاق مدارس کی طرح اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوا۔

ملاعبدالقیوم حیدرآبادی

[۱۸۵۳-۱۹۰۶ء]

ملاعبدالقیوم حیدرآبادی کا شمار حیدرآباد کے ممتاز اور جید علماء میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۸۵۳ء میں مدراس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ خاندان کے بزرگوں سے تحصیل علم کے بعد مدراس آئے اور دارالعلوم مدراس سے فراغت پائی۔ بعدازاں ریاست حیدرآباد میں ملازمت اختیار کی اور ترقی کر کے تعلقہ داری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

ملاعبدالقیوم دینی، ملی اور رفاہی کاموں میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے مسائل سے خاصی دلچسپی تھی۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد اور دائرۃالمعارف النظامیہ حیدرآباد کے قیام کے محرکین میں ان کا نام بھی آتا ہے۔ وہ علامہ شبلی کی طرح اس عہد کی کانگریس کے بھی بڑے حامی تھے۔ اوران کی حمایت میں بعض رسائل لکھے۔

ملاعبدالقیوم صاحب اچھے اہل قلم اور مصنف بھی تھے۔ دو کتابیں انڈین نیشنل کانگریس [م: ۱۹۰۵ء] اور استدعا تعلیم جبری [م: ۱۸۹۸ء] ان کے قلم سے نکلیں۔ ہندو مسلم اتحاد اور جبری تعلیم کے بھی وہ حامی تھے۔ وہ ندوہ کے بھی رکن تھے اور اسی تعلق سے علامہ شبلی نے انہیں مذکورہ بالا خط لکھا تھا۔ ان باتوں سے دونوں کے ذہنی وفکری اشتراک کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

''مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں بھی ان کے نام کا ایک خط شامل ہے۔

مولوی احسن اللہ خاں ثاقبؔ

[۱۸۵۳-۱۹۳۵ء]

مولوی محمد احسن اللہ خاں ثاقبؔ علم وفن کے قدیم مرکز بدایوں کے رہنے والے تھے۔ برطانوی حکومت میں کئی عہدوں پر فائز رہے۔ آخر میں وکٹوریہ کالج گوالیار میں عربی وفارسی کے

پروفیسر ہوگئے تھے۔

ثاقبؔ نے تیرہ برس کی عمر میں شعرگوئی کا آغاز کیا تھا۔اردووفارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔شرح حسن وعشق، عالی شیرازی، گوہرین نامہ،آتش بےدوداورخطوط امیر مینائی ان کی ادبی وشعری یادگاریں ہیں۔ایک عرصہ تک مجلّہ ''قند پارسی'' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔فارسی زبان پرانہیں بے پناہ دسترس حاصل تھی،اس میں وہ نہ صرف نثر اچھی لکھتے تھے بلکہ دادِسخن بھی دیتے تھے۔

انہیں علامہ شبلی سے خاص انس تھا، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے بڑے مداح اور قدر داں تھے۔ثاقبؔ نے بعض اردووفارسی اشعار میں علامہ شبلی کے فکروفن اور علوئے مقام ومرتبت کو خراج پیش کیا ہے۔(۱)

دونوں ادیبوں کے درمیان خط وکتابت بھی رہی۔مولانا ثاقب کے نام علامہ شبلی کے ۶ رخطوط ''گوہرین نامہ'' میں درج ہیں۔جنہیں راقم نے اپنی کتاب مکتوبات شبلی میں شائع کردیا ہے۔ان سے دونوں کے باہمی ربط وتعلق اور مزاج وافکار میں اشتراک کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی خط وکتابت کا دورانیہ دسمبر ۱۹۰۶ء سے جولائی ۱۹۱۳ء ہے۔(۲)

حوالے

(۱) شبلی سخنوروں کی نظر میں۔ص ۷۱

(۲) مکتوبات شبلی ص ۹۴-۹۸

حاجی رشید الدین انصاریؒ

[م:۱۹۵۹ء]

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے سابق ناظم حاجی رشید الدین انصاری ، صاحب ''نظام القرآن'' امام حمید الدین فراہی کے چھوٹے اور علامہ شبلی کے ماموں زاد بھائی

تھے۔قومی وملی معاملات سے دلچسپی رکھتے اوران میں بڑھ کرحصہ لیتے تھے۔مدرستہ الاصلاح کی تعمیر وترقی میں ان کا بڑا قابل ذکرحصہ ہے۔علامہ حمیدالدین فراہی کی وفات کے بعدان کے جانشین اور مدرستہ الاصلاح کے ناظم منتخب ہوئے۔یہ انتخاب جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں منعقدہ اجلاس میں ہوا تھا۔(بحوالہ ذکرفراہی ص۴۴۹)

علامہ فراہی کے بالمقابل ان سے علامہ شبلی کوکم انس و پیار نہ تھا۔خط کتابت کا سلسلہ بھی قائم رہا۔ان کے نام علامہ شبلی کےمحض تین خطوط مکاتیب شبلی میں شامل ہیں۔مولانا سید سلیمان ندوی سے پہلے بلکہ سب سے اول انہوں نے ہی''مکاتیب شبلی'' جمع کرنے چاہے تھےمگرعلامہ شبلی نے یہ لکھ کرانہیں خاموش کرادیا کہ

''میرے خطوط بالکل بدمزہ ہوتے ہیں،ان کوکیا جمع کرتے ہو۔مجھ کوخودمزہ نہیں آتا تواوروں کوکیا آئے گا۔''(مکاتیب شبلی حصہ اول ص۳۰۷)

دارالمصنّفین پرجن لوگوں کی زمینیں وقف ہیں ان میں حاجی رشیدالدین انصاری کا بھی نام شامل ہے۔وہ علامہ شبلی سے بہت قریب رہے۔اور وقف نامہ میں ان کا بھرپورتعاون کیا۔ اسی دوران علامہ شبلی وفات پاگئےتوانہی کی کوششوں سے وقف کابقیہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔چنانچہ وقف کے کاغذات انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کے حوالہ کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے انہیں دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کی مجلس انتظامیہ کا رکن نامزد کیا تھا۔ اس عہدہ پروہ مدۃ العمر فائز رہے۔اوراس کی تعمیر وترقی میں اپنا حق ادا کرتے رہے۔وہ شبلی نیشنل پی.جی کالج اعظم گڑھ کی انتظامیہ کےبھی رکن رہے۔اکتوبر۱۹۵۹ء میں وفات پائی۔(۱)

ان کےمحض تین خطوط''مکاتیب شبلی''حصہ اول میں شامل ہیں۔(۲)

حواشی

(۱) معارف نومبر۱۹۵۹ء،ص۳۲۲

(۲) مکاتیب شبلی حصہ اول ص۲۰۶ تا۲۰۸

مولانا محمد سلیم وکیل

[۰۰۰]

مولانا محمد سلیم وکیل ابن حاجی قربان قنبر انصاری وکیل، علامہ شبلی کے حقیقی ماموں اور علامہ حمیدالدین فراہی کے چچا تھے۔ بہت پڑھے لکھے شخص تھے۔ مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محلی [م:۱۲۸۶ھ]، قاضی شیخ محمد صاحب مچھلی شہری [م:۱۳۳۰ھ] اور مولانا عبداللہ غازیپوری کے شاگرد تھے۔ (حیات شبلی ۱۰۹)

مدرسہ احمدیہ آرہ بہار کے فاضل تھے۔ تحصیل علم کے بعد الہ آباد ہائی کورٹ سے وکالت کا امتحان پاس کیا اور بقیہ زندگی اعظم گڑھ میں وکالت کی نذر کر دی۔

غالی اہل حدیث تھے اور اسی وجہ سے مولانا عبداللہ غازی پوری جب اس علاقہ میں آتے تو انہیں کے یہاں قیام کرتے۔ مطالعہ و کتب بینی کا بہت عمدہ ذوق تھا۔ ان کا ذاتی کتب خانہ بھی بہت شاندار تھا۔ بعض مسائل میں اپنی منفرد رائے رکھتے تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مرحوم نے لکھا ہے کہ

> ''حدیث ''اذا وقع الطاعون فی ارض و انتم فیها فلا تخرجو اقراراً منها''میں ''ارض'' سے عام شراح حدیث کے برخلاف ''اقلیم'' مراد لیتے تھے اور اس پر انہیں بے حد اصرار بھی تھا۔ اس موضوع پر بحث کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری نے اس مسئلہ کی تردید میں رسالہ خیرالماعون لکھا، جس کے جواب میں مولوی محمد سلیم صاحب نے بھی ایک رسالہ لکھا اور اسے اپنے نام کے بجائے مولوی محمد عبداللہ مئوی کے نام سے شائع کیا۔'' (تذکرہ علمائے اعظم گڑھ ص ۳۳۹)

ان کے صاحبزادے شیخ محمد بھی بڑے بااثر شخص تھے۔ بیٹے کی وجاہت سے باپ کا نام بھی روشن ہوتا رہا۔ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں وفات پائی۔

حکیم غلام غوث بہاول پوری

[•••]

حکیم غلام غوث بہاولپوری ریاست خیر پورسندھ کے سرکاری طبیب تھے۔ ریاست خیر پورسندھ کے محکمہ آبکاری میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ بھی پر فائز رہے۔انہوں نے اپنے بچے کی پیدائش پر قصیدہ دعائیہ کی فرمائش کی تھی۔علامہ شبلی نے یہ خط لکھ کر اپنی معذوری ظاہر کی تھی۔

حکیم غلام غوث بہاول پوری کے ۴رخطوط مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل ہیں۔ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو۔علامہ لکھتے ہیں:

''اخبارات میں نظمیں دیکھ کر آپ مجھ کو زندہ سمجھتے ہیں لیکن کبھی اتفاق سے دیکھنے کا اتفاق ہوتو آپ کو رحم آئے گا کہ ایک مردۂ متحرک ،فرمائش کے لئے موزوں نہیں ۔۲۴ گھنٹہ میں ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ کام کرسکتا ہوں ۔وہ بھی اس لئے کہ سیرت کو جس طرح ہو(گو جان دے کر) پورا کرنا ہے۔''

(مکاتیب شبلی حصہ اول ص۳۱۰)

مولوی مرزا محمد سلیم وکیل

[•••]

مولوی مرزا محمد سلیم صاحب وکیل فاضل دیوبند،موضع مسلم پٹی ضلع اعظم گڑھ کے ایک زمیندار اور بڑے با اثر شخص تھے۔قومی وملی معاملات سے دلچسپی رکھتے تھے۔ مدرسۃ الاصلاح کے رکن تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد الہ آباد ہائی کورٹ سے وکالت کا امتحان پاس کیا اور اعظم گڑھ میں وکالت کا شغل اختیار کیا۔علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ ہی کی طرح ان کا شمار بھی اعظم گڑھ کے کامیاب وکلا میں ہوتا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولوی مرزا محمد سلیم

صاحب بہت باصلاحیت شخص تھے۔اور یہ بھی کہ وکالت نے ان کے علم وفضل کو بہت نقصان پہنچایا۔ان کے نام علامہ شبلی کے ۶؍خطوط دستیاب ہوئے تھے جومکتوبات شبلی میں شامل ہیں۔

میر اصغر علی

[•••]

میر اصغر علی صاحب حیدر آباد کے رہنے والے تھے اور کسی منصب پر فائز تھے۔محلّہ عثمان شاہی میں ان کی بلند وبالا کوٹھی ''اصغر منزل'' واقع تھی۔اسی میں ان کا قیام رہا۔

وہ ایک لائق مصنف بھی تھے۔انہوں نے ''بحرالحکمت'' کے نام سے کتاب لکھی تو اسے علامہ شبلی کی خدمت میں بھیجا تھا۔اسی کے جواب میں علامہ شبلی نے انہیں شکریہ کا خط لکھا تھا۔اسی خط میں انہوں نے ''بحرالحکمت'' کو فائدہ رساں بتایا ہے۔

میر اصغر علی صاحب کے نام علامہ شبلی کا یہ خط مجلّہ ''صحیفہ'' لاہور جنوری ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا ہے۔راقم نے اسے ''مکتوبات شبلی'' طبع دوم میں شامل کردیا ہے۔اس خط کے علاوہ نہ میر صاحب کے بارے میں کچھ معلومات ملیں اور نہ ان کی علامہ شبلی سے خط وکتابت ہی کی تفصیل ہی دستیاب ہوئی۔

سید نظیرالحسن فوق لکھنوی

[۱۸۵۶-۱۹۴۸ء]

خان بہادر چودھری سید نظیرالحسن فوق لکھنویہابن ضلع متھرا کے رئیس تھے۔اردو زبان کے ایک بڑے ادیب ونقاد اور سوانح نگار تھے۔علامہ شبلی نعمانی کی مشہور زمانہ کتاب ''موازنہ انیس ودبیر'' کے جواب میں انہوں نے نہایت شاندار کتاب ''المیزان'' لکھی ہے جو علامہ شبلی کی

زندگی میں [۱۹۱۴ء] میں شائع ہوئی تھی۔ چودھری سید نظیر الحسن فوقؔ رضوی نے المیزان علامہ شبلی نعمانی کی خدمت میں بھیجی تو اس کے جواب میں انہوں نے ان کی اس کاوش کی زبردست داد دی اور لکھا کہ

> ''آپ نے نہایت متانت وسنجیدگی سے کتاب کا جواب لکھا ہے جو اس زمانے میں نہایت غنیمت ہے۔ آج مجھ کو موازنہ کی قدر ہوئی کیوں کہ اس بہانے اردو میں ایک اچھی کتاب کا اضافہ اور ایک باکمال (دبیر) کے جوہر اچھی طرح کھلے۔ آپ کی عنایت کا مشکور اور طرز تحریر کا مداح ہوں۔''(۱)

ان کے نام علامہ شبلی نعمانی کے دو خطوط ''مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں شامل ہیں۔

حواشی

(۱) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۳۲۷

مولوی بشیر الدین۔ اٹاوہ

[۱۸۵۷-۱۹۵۶ء]

خان بہادر مولوی بشیر الدین ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ، اپنے عہد کے ممتاز اہل قلم، ادیب ونقاد، نامور صحافی اور ماہر تعلیم تھے۔ ان کی شخصیت قومی وملی جذبات سے لبریز تھی۔ یہ خاص طور سے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل ومعاملات میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ اسلامیہ کالج اٹاوہ کی سرپرستی اور اخبار البشیر کی ادارت ان کے دو بڑے عظیم الشان کارنامے ہیں۔

ابتدا میں علامہ شبلی نعمانی سے گہرے تعلقات تھے۔ علامہ شبلی جب انجمن ترقی اردو کے سکریٹری تھے اور انجمن ترقی اردو کی ماہانہ رودادیں لکھ رہے تھے، وہ رودادیں ملک اور نامی اخبارات کی طرح مولوی صاحب نے ''البشیر'' میں بھی شائع کیں۔ پھر بوجوہ تعلقات میں دراڑ پڑ گئی، چونکہ وہ سرسید احمد خاں اور ایم اے او کالج علی گڑھ کے بڑے حامی تھے، اس طنطنے

میں وہ اکثر علامہ شبلی نعمانی اوران کے دارالعلوم ندوۃ العلما پر نقد وجرح کیا کرتے تھے۔ یہی نہیں انہوں نے ندوہ اور علامہ شبلی کے خلاف بعض مضامین بھی شائع کئے۔ علامہ شبلی کے بعض مکاتیب میں اس ناگفتہ بہ قصہ کا ذکر آ گیا ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میرا آپ کا تعلق کسی دنیاوی ضرورت پر مبنی نہ تھا کہ خواہ مخواہ اس کو آپ صرف ظاہری صورت میں قائم رکھنا چاہتے ہوں۔ ایک قومی واسطہ تھا، اس لئے اگر آپ کو کسی وجہ سے میری طرف سے بدگمانی ہو چکی ہے تو صاف اظہار کر دینا چاہئے تا کہ دوستانہ تعلقات کی بنا پر ایک کو دوسرے سے جو امیدیں ہوں وہ منقطع کر دی جائیں۔ جس دن سے آپ کے تیور بدلے ہیں وہ مجھ کو یاد ہے۔ بہتر ہوتا آپ شکایت کی وجوہ صاف اگل دیتے، شاید آپ کو اپنے خیال کی غلطی ثابت ہوتی، لیکن اگر آپ کی بارگاہ اس قدر بلند ہوگئی ہے کہ اب آپ ہم غریبوں کی صداؤں کا جواب دینا بھی نہیں چاہتے تو اس کی بھی ضرورت نہیں۔ ایک امت آپ کی پیدا ہو چکی ہے۔ وہ ہر طرح پر آپ کی پیغمبری کی قائل ہے۔ اگر ہم جیسے چند مرتد رہے تو آپ کا کیا حرج۔'' (۱)

ان کے نام علامہ شبلی نعمانی کے ۸؍خطوط ناچیز کی مرتبہ ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہیں۔ جسے حال میں دارالمصنّفین شبلی اکادمی نے شائع کیا ہے۔ (۲) ان خطوط سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بعد میں تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے۔ (۳) اور کشیدہ ہی رہے۔

حواشی

(۱) مکتوبات شبلی ص ۶۰-۶۴

(۲) ایضاً ص ۶۴

(۳) مکتوبات شبلی ص ۸۹

مولوی محمد یوسف وکیل

[•••]

خان بہادر مولوی محمد یوسف صاحب ایم اے، ماہر قانون داں اور کلکتہ ہائی کورٹ کے نہایت ممتاز وکیل تھے۔ کلکتہ کے آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ انگریزی حکومت نے انہیں ۶ر جون ۱۸۹۵ء کو خان بہادر اور ۱۹۰۱ء میں تمغہ قیصر ہند درجہ دوم سے نوازا۔ کلکتہ میں سکونت اختیار کر لی تھی (۱) مگر یہ کہاں کے باشندہ تھے اور تاریخ پیدائش وغیرہ معلوم نہیں ہو سکی۔

مولوی محمد یوسف صاحب کو ابتدا ہی سے مسئلہ وقف علی الاولاد سے دلچسپی رہی۔ انہوں ایک عرضداشت کے ذریعہ نے لوگوں کو متوجہ کیا۔ علامہ شبلی کے رابطہ میں رہے اور ایک دوسرے سے مشورہ کرتے رہے۔ انھوں نے علامہ شبلی کو متعدد مشورے بھی دیئے۔ ان کا ایک مشورہ یہ تھا کہ

> ''دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام ہندوستان سے درخواست گورنمنٹ میں دی جائے کہ وقف کا قاعدہ شرع کی رو سے ہے۔ اس کو آئین میں مندرج کر دیا جائے تا کہ پریوی کونسل کے فیصلہ کا اثر نہ رہے۔
>
> رقیمہ نیاز
>
> محمد یوسف
>
> کلکتہ۔ ۱۹ر مارچ ۱۹۰۹ء (۲)

علامہ شبلی نے انھیں بھی انجمن وقف علی الاولاد کی رکنیت کی پیشکش کی اور انھوں نے بسر و چشم قبول کرتے ہوئے لکھا کہ

> ''معظم و مکرم شمس العلما جناب مولانا شبلی نعمانی صاحب دام اجلالکم سلام مسنون الاسلام کے بعد ملتمس ہوں کہ قطعہ عنایت نامہ مرقومہ ۶ر جولائی ۱۹۰۹ء کو معہ فارم برائے دستخط و کیفیت انجمن مرسلہ جناب نے ورود پا کر مجھ کو نہایت محفوظ و مسرور کیا ع

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

اور میں آپ کی اس عنایت کا تہِ دل سے ممنون ومشکور ہوں۔

فارم جو آپ نے دستخط کے لئے عنایت فرمایا ہے بہت جلد دستخطوں سے لوگوں کے مزین کرا کر ارسال خدمت کروں گا۔

مجھ کو انجمن وقف کی ممبری منظور کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ میں نے بسر وچشم ممبری وقف کی منظور کی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حتی الوسع انجمن کی ترقی میں کوشاں وساعی رہوں گا۔ رقیمہ نیاز

محمد یوسف۔ کلکتہ

۱۷/اگست ۱۹۰۹ء(۳)

حواشی

(۱) صحیفہ زریں (بنگال) ص ۱۱۷، مرتبہ پراگ بھارگو، مطبع نول کشور، ۱۹۰۲ء

(۲) مقالات شبلی جلد ہشتم ص ۲۸

(۳) ضمیمہ کارروائی وقف علی الاولاد، ص ۱۹

میر صدرالدین حسین خاں

[•••]

نواب میر صدرالدین حسین خاں صاحب بڑودہ کے بڑے علم دوست رئیس تھے۔ انہوں نے علامہ شبلی نعمانی سے یہ دریافت کیا تھا کہ سلسلہ ناموران اسلام میں صرف سیرۃ النعمان اور المامون شائع ہوسکیں، دیگر سوانح عمریوں کی تصنیف واشاعت میں تاخیر کے اسباب کیا ہیں۔ ان کا خط اور علامہ کا جواب ماہنامہ نیرنگ خیال نومبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا ہے۔

مولوی خلیل الرحمٰن سہارن پوری

[م:۴رفروری ۱۹۳۶ء]

مولوی خلیل الرحمٰن سہارنپوری علامہ شبلی نعمانی کے استاد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے صاحبزادے تھے۔اورانہی سے تحصیل علم کیا تھا۔

دارالعلوم ندوہ سے وابستہ رہے۔ پہلے نائب پھر ناظم ہوئے۔خدا جانے انہیں علامہ شبلی سے کیا دشمنی تھی۔انہوں نے علامہ شبلی کی مخالفت کی گویا قسم کھالی تھی اور ہر معاملہ میں ان سے اختلاف کیا کرتے تھے اور جس قدر تکلیفیں پہنچا سکتے تھے،ان میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے علامہ شبلی کے ندوہ کے متعلق تمام کارناموں اور کاوشوں پر خاک پھیردی،چونکہ ان کے ہم نوا بعض وہ علماء بھی تھے،جنہیں بعد میں نظامت کا موقع ملا تو انہوں نے ان کے علم وفضل کا عمدہ مرقع پیش کیا اور قصداً علامہ شبلی کے کارناموں کو کم کر کے دکھایا،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علامہ شبلی کی تمام عظیم الشان خدمات ندوہ سے بعد کی نسلیں پورے طور پر واقف نہ ہوسکیں۔(۱)

مولوی خلیل الرحمٰن سہارنپوری ندوہ کے نائب ناظم تھے اور ناظم بننا چاہتے تھے۔اور خود کو ناظم سمجھتے تھے۔اسی زمانہ میں علامہ شبلی نے مولانا سید عبدالحی حسنی کو ایک خط لکھا جس میں ناظم کی جگہ کو خالی بتایا اور اس کو جلد پر کرنے کی بات لکھی جوان کو ناگوار گذری اور انہوں نے علامہ شبلی پر الزام تراشیوں کا ایک سلسلہ شروع کردیا۔اس کی ابتدا انہوں نے وقف علی الاولاد تحریک کی مخالفت سے کی۔ پھر چند عمائدین کی مداخلت سے دونوں میں صلح ہوگئی،مگر کچھ دنوں بعد مولوی عبدالکریم صاحب کو ماہنامہ الندوہ میں جہاد پر ایک مضمون لکھنے کی پاداش میں معطل کئے جانے کو لے کر دوبارہ اختلافات ابھر آئے۔(۲)

ان کے نام کے خطوط نہیں ملے۔''مکتوبات شبلی''میں بس ایک خط شامل ہے۔اس میں انہوں نے مولوی عبدالکریم صاحب کی معطّلی کے فیصلہ کو جو اس سے پہلے کے اجلاس میں ہوا تھا کالعدم قرار دیا ہے۔اس کے بعد یہ اور منشی احتشام علی کاکوروی انگریز گورنر سے ملے اور اس نے

مولوی عبدالکریم صاحب کی کم از کم ۶ / ماہ کی معطّلی ضروری قرار دیا تو ان کو دوبارہ معطل کر دیا اور اس کی تمام ذمہ داری علامہ شبلی کے سرڈال دی۔ ع

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

ان کے نام علامہ شبلی کا جو خط مکتوبات شبلی میں شامل ہے وہ علامہ شبلی کا بڑا شاندار خط ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ شبلی ندوے کی تعمیر و ترقی کے لئے کس درجہ فکر مند تھے۔

حواشی

(۱) مکتوبات شبلی

(۲) حیات شبلی ص ۴۹۳-۴۹۹

(۳) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ص ۲۷

شمس العلما مولوی سید ممتاز علی

[۱۸۶۰-۱۹۳۵ء]

شمس العلما مولوی سید ممتاز علی دیوبند کے رہنے والے تھے۔ سرسید احمد خاں کے خاص رفقاء میں تھے۔ انہوں نے دیوبند میں قدیم علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد جدید تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ ہندوستان میں انہی نے سب سے اول خواتین کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی اور اس سلسلہ میں بڑی جدو جہد سے کامیابی حاصل کی۔ اسی مقصد سے انہوں نے رسالہ ماہنامہ تہذیب نسواں لاہور کی برسوں ادارت کی۔ مشہور ڈرامہ ''انارکلی'' کے خالق سید امتیاز علی تاج انہیں کے صاحبزادے تھے۔

مولوی سید ممتاز علی علامہ شبلی کے ہم عمر اور علی گڑھ میں ان کے خاص احباب میں تھے۔ علامہ شبلی سے ان کی مراسلت بھی تھی۔ سرسید احمد خاں کے نام علامہ شبلی کے بعض خطوط جو انہوں نے قسطنطنیہ و بیروت سے لکھے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں میں بڑی بے تکلفی، بلکہ

یارانہ تھا۔ان کے نام علامہ شبلی نعمانی کے ۱۰ رخطوط'' نقوش'' لاہور کے ''خطوط نمبر'' حصہ اول [ص ۱۹۵-۱۹۹] میں شائع ہوئے ہیں جواب ناچیز کی مرتبہ کتاب ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہیں۔

واضح رہے کہ نقوش لاہور کے خطوط نمبر حصہ اول میں مکتوب الیہ کی صراحت نہیں ہے، بلکہ مکتوب الیہ میں مولوی سید ممتاز علی کے ساتھ نواب وقار الملک کا نام بھی درج ہے اور خطوط کی تعداد ۱۵ رلکھی گئی ہے جبکہ کل ۱۰ رہی خطوط شائع کئے گئے ہیں۔(۱) ان ۱۰ رخطوط کو راقم نے ان کے مشمولات اور اسلوب نگارش کے لحاظ سے مولوی سید ممتاز علی کے نام قرار دیا ہے اور جو بقیہ ۵ رخطوط درج نہیں ہو سکے ہیں وہ غالباً نواب وقار الملک کے نام رہے ہوں گے۔ بہر حال اس اعتراف میں کوئی حرج نہیں کہ راقم کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے کہ یہ تمام خطوط مولوی سید ممتاز علی کے نام کے ہیں۔تاہم قیاس سے انہی کے نام کے معلوم ہوئے، چنانچہ انہیں کے نام سے ''مکتوبات شبلی'' میں شامل کئے گئے ہیں۔(۲) البتہ اب تک شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی صاحب کا کوئی خط علامہ شبلی نعمانی کے نام دستیاب نہیں ہوا ہے۔

حواشی

(۱) نقوش لاہور خطوط نمبر حصہ اول ص اپریل، مئی ۱۹۶۸ء، ص ۱۹۵-۱۹۹

(۲) مکتوبات شبلی ص ۶۷-۷۷

ابن مرتضٰی بلگرامی

[م: ۱۹۰۹ء]

مولوی سید محمد مرتضٰی بلگرامی کے فرزند، سید ابن مرتضٰی بلگرامی بڑے عالم وفاضل شخص تھے۔لکھنؤ میں قیام تھا اور وکالت کرتے تھے۔یہیں وفات پائی۔جنازہ ان کے وطن کوآٹھ ضلع آرہ بہار لے جایا گیا۔اور وطن میں آسودۂ خاک ہوئے۔ان کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ علامہ شبلی کا ایک خط ان کے نام ''باقیات شبلی'' میں شامل ہے۔ جسے راقم نے مکتوبات شبلی

میں شائع کر دیا ہے۔ باقیات شبلی کے مرتب مشتاق حسین نے یہ خط رسالہ ماہنامہ درس علی گڑھ کے ''شبلی نمبر'' سے نقل کیا ہے۔(۱) درس کا ''شبلی نمبر'' راقم کو آج تک دستیاب نہیں ہوا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مشتاق حسین کے علاوہ کسی اور شخص نے رسالہ درس کے ''شبلی نمبر'' کا ذکر آج تک نہیں کیا۔ غالباً ان سے سہو ہوا ہے۔لیکن یہ خط ادیب علی گڑھ کے شبلی نمبر میں بھی شامل نہیں ہے۔

ان کے نام علامہ شبلی نعمانی کے دوسطری خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سید ابن مرتضی نے علامہ شبلی سے کوئی استفسار کیا تھا، جس کے جواب میں انہوں نے بیماری کے سبب مفصل جواب نہ دینے کا عذر کیا ہے۔(۲)

حوالے

(۱) مکتوبات شبلی ص ۱۵۷

(۲) باقیات شبلی ص ۱۹۶

سکھ دیال سنگھ شوق

[•••]

بابو سکھ دیال سنگھ شوق، خورجہ ضلع بلند شہر کے رئیس تھے۔ ہندی، سنسکرت اور فارسی کئی زبانوں سے واقف تھے۔اردو کے عاشق وشیدائی اور اہل قلم تھے۔اردو میں کئی کتابیں ان کے قلم سے نکل کر مقبول ہوئیں۔ان میں ایک ناول'' دل ربا'' کافی مقبول ہوا۔ ایک اور کتاب ''آرین مشن'' ہے، جس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔اس کا نام والمیک کے سرورق پر درج ہے۔

شوؔق کا ایک اور قابل ذکر ادبی کارنامہ ہندوؤں کی دو مذہبی کتابوں ''والمیک رامائن'' اور ''مہابھارت'' کو اردو میں بطرز ناول پیش کرنا ہے۔''والمیک رامائن'' پہلی بار مطبع برن پرکاش بلند شہر سے شائع ہوا۔ سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔(۱) جبکہ مہابھارت پہلے کئی حصوں میں چھپا۔ پہلا حصہ ۱۸۹۱ء میں جبکہ دوسرا اور تیسرا حصہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا۔۱۸۹۴ء میں ان تمام حصوں کو

''مہابھارت'' کے نام سے یکجا شائع کیا گیا۔اس حصہ میں مہابھارت کو پسند کرنے والوں کے آرا وخیالات درج کئے گئے ہیں۔ان میں ایک خط بقول ڈاکٹر شمس بدایونی علامہ کا بھی شامل ہے، جسے انہوں نے اپنے مضمون جہان شبلی مطبوعہ معارف اپریل ۲۰۱۸ء شائع کیا ہے۔

سکھ دیال سنگھ شوقؔ نے مہا بھارت کے ابتدائی حصے جب علامہ شبلی کے پاس بھیجے تو انہوں نے شوقؔ کا شکریہ ایک خط سے ادا کیا۔یہی خط مہابھارت (مکمل) میں شامل ہے۔علامہ شبلی نے ان کی مذہبی ناول نگاری اور طرز ادا کی داد دی ہے۔خط کے اسلوب سے محسوس ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان شناسائی پہلے سے تھی۔البتہ اس کے علاوہ کسی اور تعلق کا ذکر ابتک کہیں نہیں ملا ہے اور نہ علامہ شبلی کے نام شوقؔ کا کوئی خط ہی کہیں دستیاب ہے،لیکن اس سے یہ واضح ہے کہ دونوں میں خط وکتابت ہوتی تھی۔(۲)

شوقؔ کے مزید حالات وواقعات باوجود تلاش وجستجو کے معلوم نہ ہوسکے۔

حوالے

(۱) شوق: والمیک نارائن سرورق

(۲) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ،اپریل ۲۰۱۸ء،ص ۲۹۵-۲۹۶

جرجی زیدان

[۱۸۶۱-۱۹۱۴ء]

جرجی زیدان ایک عیسائی مورخ ومصنف اور مجلّہ الہلال مصر کا ایڈیٹر تھا۔اس نے پانچ جلدوں میں اسلام کی تہذیبی وتمدنی تاریخ ''تاریخ التمدن الاسلامی'' کے نام سے لکھی ہے۔یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی اور اس کے تمام حصوں کے اردو میں ترجمے شائع ہوئے۔ایک حصے کا ترجمہ مولانا محمد اسلم جیراج پوری نے بھی کیا ہے۔

اس کتاب میں جرجی زیدان نے بظاہر اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخ لکھی ہے،لیکن

درحقیقت اس نے مسلمانوں بالخصوص عربوں پرسخت تنقیدیں کی ہیں۔اس کی آڑ میں اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کومطعون کرنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نے اس کی تردید میں ایک کتاب ''الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی''لکھی۔(۱) جو۱۹۱۲ء میں بیک وقت ہندوستان اور مصر سے شائع ہوئی۔

جرجی زیدان سے علامہ شبلی کے پہلے سے گہرے علمی مراسم اور خط وکتابت کا سلسلہ تھا۔ اس کے کئی خطوط کا ذکر ملتا ہے مگر ایک نامکمل خط کے سوا کہیں کوئی خط دستیاب نہیں ہوا۔اس کا خط بقول مولانا سعید انصاری مرحوم سابق رفیق دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۱۹۱۶ء تک دارالمصنّفین میں محفوظ تھا۔(۲) ایک عرصہ بعد یہ آدھا خط ناچیز راقم کوایک کتاب میں ملا تھا جواب دارالمصنّفین میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

یہ خط تاریخ التمدن الاسلامی پرنقد سے متاثر ہوکر لکھا گیا ہے اور کسی قدر سخت لب ولہجے میں لکھا گیا ہے۔علامہ شبلی نے اس کا جواب ضرور لکھا ہوگا،مگر وہ دستیاب نہیں ہوسکا۔ممکن ہے مجلّہ الہلال مصر کے کسی شمارے میں اس کو شائع کیا گیا ہو۔اس کے علاوہ ایک اور عربی خط دستیاب ہوا ہے جو''مکتوبات شبلی'' کے نئے ایڈیشن میں شامل ہے۔

حوالے

(۱) آثار شبلی ص۲۸۱

(۲) البصیر شبلی نمبر ص۶۲

فرحت احمد

[•••]

فرحت احمد کے بارے میں کسی قسم کی معلومات نہ مل سکیں۔حالانکہ بقول ڈاکٹر خالد ندیم صاحب وہ علامہ شبلی کے چچازاد بھائی تھے۔(۱) لیکن اس بات کی تصدیق کسی اور حوالہ سے نہیں

ہوسکی ہے۔ راوت رضی احمد چودھری نے ''تاریخ بندول'' میں جو شجرہ نسب دیا ہے اس سے بھی تصدیق نہیں ہوئی۔

علامہ شبلی نعمانی سے ان کے منجھلے بھائی حافظ محمد مہدی حسن بیرسٹر نے فرحت احمد کے بھتیجے کی پیدائش پر تاریخ کی فرمائش کی تھی۔ چنانچہ علامہ شبلی نے ایک خط میں دو تاریخی قطعات لکھ کر بھیجے۔ یہ تاریخی قطعات ''مکاتیب شبلی'' حصہ اول [ص۴۷] میں درج ہیں۔ اسے یہاں اس لئے نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے علامہ شبلی نعمانی کے تاریخی قطعات کہنے کا ایک پوشیدہ پہلو سامنے آجائے۔

مرحبا مرحبا لمولود　　　که بود باده ایاغ کمال
باز در پیش گاه بزم وجود　　　گشت روشن ازو چراغ کمال
مردم دیده هنر فرحت　　　که تواں یافت زو سراغ کمال
سال تاریخ را چو امر نمود　　　گفت شبلی بهار باغ کمال(۲)

فرحت احمد کے نام مکاتیب شبلی میں علامہ شبلی نعمانی کا ایک فارسی خط بھی شامل ہے۔ اس سے ان کے احوال کی وضاحت تو نہیں ہوتی لیکن علامہ شبلی سے قربت کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ یہ خط بھی بہت دلچسپ ہے۔ ملاحظہ ہو:

مبارک ہو۔

خدا کا شکر ہے کہ تمہارا چھوٹا بھائی مہدی حسن ایف اے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ جیسے ہی میں علی گڑھ پہنچتا، تم وہاں پہنچ چکے ہوتے۔ میری آمد کی خبر سنتے ہی دوڑے چلے آتے۔ خوشی کے مارے تمہارے منہ سے بات نہ نکل رہی ہوتی۔ تمہارے دل کی حالت تمہارے تبسم سے ظاہر ہوتی اور پھر بے ساختہ تمہارے منہ سے نکلتا کہ بھائی مہدی حسن پاس ہو گیا۔ تم تیزی سے دو تین قدم آگے بڑھتے اور میرے سینے سے لگ جاتے اور پوچھتے کہ ہاں (مہدی کے) پاس ہونے پر میری مٹھائی کہاں ہے؟ میں کہتا کہ تمہارے

ہونٹوں پر، پھر دوستوں کی مجلس آراستہ ہوتی اور خوب گپ شپ ہوتی۔ خدایا! ایسا ہی ہو۔ ایک بار پھر مبارک باد۔(۱)

علامہ شبلی کے فارسی خط کا یہ اردو ترجمہ ڈاکٹر خالد ندیم صاحب صدر شعبہ اردو اور مشرقی زبان یونیورسٹی آف سرگودھا کے قلم سے ہے۔ اس خط سے مکتوب نگار علامہ شبلی نعمانی اور مکتوب الیہ فرحت احمد کے درمیان انتہائی قربت اور بہت بے تکلفی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فرحت احمد کا کہیں اور ذکر نہیں ملتا ہے۔

حوالے

(۱) اردو ترجمہ مکاتیب شبلی ص ۴۹

(۲) آثار شبلی ص ۳۵۴

(۱) اردو ترجمہ مکاتیب شبلی، ص ۴۹

اکبر صاحب

[•••]

اکبر صاحب بھی موضع بندول کے رہنے والے تھے۔ غالباً علامہ شبلی کے عزیز یا شاگرد تھے۔ خط و کتابت بھی رہی۔ ان کے نام علامہ شبلی کا ایک فارسی خط مکاتیب شبلی حصہ دوم میں شامل ہے۔(۱) اس سے زیادہ ان کے بارے میں کسی قسم کی معلومات دستیاب نہیں ہوئیں۔

اس فارسی خط پر تاریخ درج نہیں ہے۔ علامہ شبلی کے فارسی و عربی خطوط کے مترجم ڈاکٹر خالد ندیم صاحب نے اس کی تاریخ طے کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ

> ''اس خط میں مہدی سے دوری کا ذکر ہے۔ علی گڑھ میں شبلی کی تقرری کے وقت مہدی وہیں زیر تعلیم تھے۔ البتہ اس سے قبل بستی میں وکالت اور قرق امینی کی ملازمت یا نیل کے کارخانوں کی نگرانی کے زمانے [۱۸۸۱-۱۸۸۲ء]

میں وہ یقیناً مہدی سے دور تھے۔قرق امینی کی ملازمت کے دنوں میں بالخصوص رہائش وخوراک کے معاملے میں شبلی کو شدید مشکلات کا سامنا تھا جن کا ذکر فارسی مکتوب ۱۴ کے حاشیے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ غالب امکان یہی ہے کہ خط مذکورہ بالا دو برسوں کے دوران میں لکھا گیا ہوگا۔'' (۲)

حوالے

(۱) مکاتیب شبلی ج ۲ ص ۲۲۴

(۲) اردو ترجمہ مکاتیب شبلی ص ۴۸

مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی

[م: ۷ر نومبر ۱۹۲۰ء]

شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ ٹونکی مدرس اعلیٰ ندوۃ العلما ہندوستان کے مشاہیر علماء میں تھے۔ مولانا فیض الحسن سہارن پوری اور مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے شاگرد تھے۔ اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر رہے۔اور ایک عرصہ تک تشنگان علوم وفنون کو سیراب کیا۔ یہاں انہوں نے انجمن مستشار العلما قائم کی تھی جو بقول مولانا سید سلیمان ندوی ایک قسم کا دارالافتاء تھا۔

مفتی محمد عبداللہ ٹونکی اخیر میں ندوۃ العلما کے مدرس اعلیٰ مقرر ہو گئے تھے۔ یہ علامہ شبلی کے استاد بھائی بھی تھے۔۱۹۱۳ء میں جب علامہ شبلی نے ندوہ سے استعفا دیا اس وقت مولانا ٹونکی ہی صدر مدرس تھے۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ علامہ شبلی اپنا استعفا واپس لے لیں۔ یہ قرار دادیں انہوں نے اخبارات میں بھی شائع کرائیں۔اس کے لئے دو باران کی صدارت میں طلبہ و اساتذہ نے میٹنگ کر کے متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی کہ علامہ شبلی استعفا واپس لے لیں۔ انہوں نے انتظامیہ سے بھی درخواست کی کہ استعفا نامنظور کر دیا جائے۔مگر اسی دوران علامہ شبلی کا استعفا منظور کر لیا گیا۔ (۱) ان ہمدردانہ اجلاسوں کے جواب میں علامہ شبلی نے انہیں خط

لکھا ہے۔وہی خط مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل ہے۔(۲)

اس قضیہ کے چند ماہ بعد مفتی صاحب یہاں سے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس ہو کر کلکتہ چلے گئے تھے۔یہاں بیمار ہوئے تو بھوپال چلے گئے جہاں ان کے فرزند مفتی انوارالحق صاحب ریاست بھوپال کے محکمہ تعلیمات کے ناظم اور مشیر تھے۔بھوپال میں ۷/نومبر ۱۹۲۰ء کو وفات پائی۔

حوالے

(۱) زمیندار، لاہور، یکم دسمبر ۱۹۱۳ء، ص ۳

مولوی محمد سمیع

[•••]

مولوی محمد سمیع علامہ شبلی کے ابتدائی دور کے اعظم گڑھ کے تلامذہ میں سے تھے۔موضع کنورہ گھنی ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔عربی و فارسی کے تعلیم پائی تھی۔جونپور میں محافظ دفتر تھے۔ان کے ایک بھائی ضامن علی کو علامہ شبلی نے اپنے ساتھ رکھ کر علی گڑھ کالج میں تعلیم دلائی تھی۔''مکاتیب شبلی''میں ان کا بھی ذکر ملتا ہے۔

علامہ شبلی کا دوسرا عقد نکاح مولوی محمد سمیع کی ماموں زاد بہن سے ہوا تھا جو موضع خاص ڈیہہ ضلع اعظم گڑھ کی رہنے والی اور محمد نعیم کی صاحبزادی تھیں۔انہی دوسری اہلیہ کے انتقال کے دن علامہ شبلی سے ملاقات کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد [۱۸۸۸-۱۹۵۶ء] لکھنو سے اعظم گڑھ تشریف لائے تھے اور موضع بندول میں ان کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔اسی حادثہ کے بارے میں مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ بیوی کے انتقال پر علامہ شبلی دھاڑیں مار مار کر روئے۔ بلاشبہ علامہ کی زندگی کا یہ ایک بڑا حادثہ تھا۔چنانچہ علامہ نے بقیہ زندگی تجرد میں گذاری۔

علامہ شبلی نے ایک مجلس ترقی موازنہ قومی قائم کی تھی۔''جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ سالانہ

اعزہ باشندگان اعظم گڑھ کی تعلیمی ترقی کا موازنہ پیش کرے۔'' مولوی محمد سمیع کواس کا سکریٹری بنایا گیا تھا۔ علامہ شبلی کوان سے بے حد لگاؤ تھا۔خطوط شبلی بنام مولوی محمد سمیع سے بھی واضح ہوتا ہے کہ دونوں میں بڑے گہرے اور نج کے تعلقات تھے۔ وفات شبلی کے بعد بیاض شبلی اور خطوط وغیرہ کا ایک اہم ذخیرہ انہوں نے جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی کے حوالہ کیا تھا جو'' کلیات شبلی''اور'' مکاتیب شبلی''میں شامل ہوا۔

مکاتیب شبلی کی ترتیب کے وقت یعنی ۱۹۱۶ء میں وہ جون پور میں محافظ دفتر تھے۔ اس کے بعد کے ان کے حالات بالکل معلوم نہیں کہ کب تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ کب سبک دوش ہوئے اور کہاں وفات پائی اور کہاں مدفون ہیں۔ البتہ ان کے صاحبزادے محمد مختار صاحب ہائی کورٹ الہ آباد میں وکیل یا محرر تھے۔ وہ الہ آباد میں مستقل آباد ہو گئے تھے۔ ان کے پوتے وغیرہ اب بھی وہیں سکونت پذیر ہیں۔ الہ آباد کے ڈاکٹر نثار انہی کے پوتے ہیں۔

مولوی محمد سمیع کے نام'' مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں ۵۷؍خطوط اور'' مکتوبات شبلی'' میں ۲؍خطوط شامل ہیں، اس طرح کل ۵۹؍خطوط ان کے نام کے دستیاب ہیں۔ ان میں چند خطوط فارسی میں ہیں جن کا ترجمہ ڈاکٹر خالد ندیم صاحب کی کتاب'' اردو ترجمہ مکاتیب شبلی''میں شامل ہے۔ ان خطوط میں علامہ شبلی کے ابتدائی، ذاتی اور خانگی احوال زیادہ آئے ہیں۔ جنہیں علامہ شبلی کے ابتدائی اور ذاتی قسم کے احوال سے دلچسپی ہو انہیں مولوی محمد سمیع اور مولوی محمد عمر کے نام کے خطوط کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

علامہ شبلی نے جس خط میں مرزا غالب کا تتبع کیا ہے وہ مولوی محمد سمیع ہی کے نام ہے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں:

> '' بھئی کچھ سنا ہے۔ (محمد سمیع) خیر تو ہے۔ ہاں! ایک تازہ واقعہ ہے، میاں شبلی کا انتقال ہو گیا۔ (محمد سمیع) ارے سچ نہیں جھوٹ ہوگا، ابھی ہفتہ بھی نہیں ہوا ان کا ایک خط میرے نام آیا تھا۔ (مولوی محمد عمر صاحب)
> لو تم نے آج سنا ہے، اجی اس کو تو کئی دن ہوئے۔ انہوں نے جو کتابیں بھیجی

تھیں اس کی رسید بھی تو میں نے اسی وجہ سے نہیں دی۔(محمد سمیع) انا للہ۔ افسوس ابھی مرنے کے کوئی دن نہ تھے۔(حمید) ہاں! واقعی سخت رنج ہے، مگر تقدیر سے کس کا زور چلتا ہے، (اور دبی زبان سے) ارے میاں چلو قصہ پاک ہوا، آئے دن کی حکومتوں سے ناک میں دم آ گیا۔ بھلا روئداد خیر ایک بار کا کام تھا لکھ بھی لیا۔ اب روز روز مدرسہ میں لڑکوں کو مسودہ لکھاتے پھرو، اس پر طرہ یہ کہ ہفتہ وار مدرسہ کی رپورٹ لکھ کر ان کے پاس بھیجتے رہو، اچھی خاصی بیگاری بھگتا کرو۔(عبدالغفور) ارے میاں! خیر مرنا تو سب کے لیے ہے، ہاں ان کے خط کا جواب رہ گیا، مگر یہ بھی کوئی زبردستی ہے، جی نہ چاہے تو مفت کی محنت کون گوارا کرے۔(حافظ علی حسن) لو اب کی ان کو خط لکھتے لکھتے رہ گیا۔ امتحان کا حال لکھنا تھا اور جو کچھ ہو آدمی تو مزے کا تھا۔ دو گھڑی کیفیت رہتی تھی۔(مولوی محمد عمر صاحب) بھئی کیا کہئے دل لگی ہی جاتی رہی اور تو کس کام کا آدمی تھا مگر ہاں ذرا جی بہل جایا کرتا تھا۔(مولوی احمد اللہ) اجی! جی کیا بہلتا تھا، دنیا بھر کی شکایتیں ہوا کرتی تھیں، کبھی ان کی نقل کی، کبھی ان کا خاکہ اڑایا اور اس کے سوا ان کا کام ہی کیا تھا، چلو اچھا ہوا۔‘‘(۱)

مرزا غالب کی طرح مکاتبہ کو مکالمہ کرنے کا تجربہ بھی علامہ شبلی نے انہی مولوی محمد سمیع کے نام ایک خط کیا ہے:

’’بھئی سب نے خط نہ لکھنے کی قسم کھالی ہے یا کسی منت پر روزہ سکوت رکھا ہے۔ آخر بات کیا ہے؟ مولوی محمد عمر صاحب الگ دم بخود ہیں، تم جدا خاموش ہو، مہدی نے اعظم گڑھ پہونچنے کی رسید تک نہیں لکھی۔ والد قبلہ کو کام سے کہاں فرصت۔ اس مہنگی میں بھائی مولوی محمد سعید صاحب کی دو سطریں اگر چہ صرف مطلب کی ہیں غنیمت معلوم ہوئیں۔ کیا سنسان کا عالم ہے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ خیر شکایت کیوں کیجئے، دوسرے پر زور

کیا، جب گھر بار چھوٹے، عزیز آشنا چھوٹے تو غربت میں کوئی کیوں کسی کا ساتھ دے۔ لوصبر آ گیا۔'' (۲)

حوالے

(۱) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۶۲-۶۳

(۲) ایضاً ح اص ۵۷

مسٹر محمد مہدی حسن بیرسٹر

[م: ۲۹/ جون ۱۸۹۷ء]

نہ صرف خانوادۂ شبلی، بندول، بلکہ اعظم گڑھ کے ممتاز اشخاص میں ایک اہم نام محمد مہدی حسن بیرسٹرایٹ لا کا بھی ہے۔ وہ علامہ شبلی کے چھوٹے بھائی تھے اور اس خطہ اعظم گڑھ کے پہلے بیرسٹرایٹ لا بھی۔

علامہ شبلی کی مذہبی تعلیم وتربیت کے بعد ان کے والد شیخ حبیب اللہ سرسید تحریک کے زیر اثر جدید تعلیم کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دوسرے بیٹوں حافظ مہدی حسن، محمد اسحاق اور محمد جنید نعمانی کو انگریزی تعلیم دلائی۔ حالانکہ اس وقت مہدی حسن حافظ قرآن ہو چکے تھے اور یہی سبب تھا کہ مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ کا وجود مٹ گیا۔

محمد مہدی حسن شیخ حبیب اللہ کے دوسرے بیٹے تھے۔ ان کی تعلیم کا آغاز بھی مذہبی نہج پر ہوا تھا۔ انہوں نے پہلے عربی و فارسی پڑھی، پھر قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ابتدائی انگریزی تعلیم انہوں نے اعظم گڑھ کے کس اسکول میں حاصل کی اس کی علم نہیں ہوسکا۔ البتہ ۱۸۷۹ء میں وہ علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ وکالت کے امتحان میں شریک ہو کر کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد وہ ایم، اے، او کالج علی گڑھ میں داخل کئے گئے۔ یہاں سے انہوں نے ۱۸۸۱ء میں انٹرنس اور ۱۸۸۴ء میں ایف، اے پاس کیا۔ یہ ایم، اے، او کالج علی

گڑھ کے بالکل ابتدائی غالباً پہلے بیچ کے طالب علم تھے۔علامہ شبلی اس کے بعد فروری ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ کالج میں عربی وفارسی کے پروفیسر منتخب ہوئے تھے۔

مہدی حسن نے جس زمانہ میں ایف اے میں کامیابی حاصل کی علامہ شبلی نعمانی نئے نئے وہاں پروفیسر ہوئے تھے۔ان کے کامیاب ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے انہوں نے فرحت احمد کو لکھا کہ

''مبارک، سپاس ایزد کہ برادرشا عزیزی مہدی حسن در ایف.اے کامیاب نشست اے خوش آنکہ علی گڑھ رسم تو از پیش رسیدہ باشی و چوں از آمدنم آگہی اندوز شوی دوان سوئے من آئی واز جوش طرب حرف مبارک باد، برلبت گرہ گردد، لبے بہ تبسم واکنی بآواز گوئی کہ برادرمہدی حسن فال ظفر بنام خود یافت وپس ازاں دوسہ گامے تیز تر آئی وبمن درآویزی وگوئی کہ ہلہ !ہاں!شیرینی کجاست ومن گویم کہ درلب تو، باز انجمنے از یاران فراہم آید وہر یک گفتگو باز کندو گپے زندہ یارب ہمچنیں باد، بار دیگر مبارک باد۔''

این نامہ رانز دخودنگاہ باید داشت

کمترین ہواخواہان

شبلی نعمانی

۲۳رجون ۱۸۸۴ء(۱)

اس کے بعد اپریل ۱۸۸۵ء میں مہدی حسن نے بیرسٹری کے لئے لندن کا رخ کیا۔یہ خطہ اعظم گڑھ کا شاید پہلا واقعہ تھا کہ کوئی شخص اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک گیا ہو، چنانچہ اس خوشی کے موقع پر ان کے والد شیخ حبیب اللہ نے اعظم گڑھ میں ایک تقریب کی جس میں معززین شہر اور روسائے اعظم گڑھ نے شرکت کی۔علامہ شبلی علی گڑھ سے آکر اس تقریب میں شریک ہوئے اور ایک دعائیہ نظم پیش کی جس کا آخری مصرعہ یہ تھا:

بہ سلامت روی وباز آئی

علامہ اقبال احمد خاں سہیل [م: ۱۹۵۵ء] کو جو بے مثال قوت حافظہ کے مالک تھے، اس نظم کے دو اشعار یاد تھے:

خار در دیدۂ وعدہ شکنی
حاسداں را جگر گداز آئی
ما بہ نادیدہ دور ہست باشیم
کہ تو ناگہ زدر فراز آئی

حافظ محمد مہدی حسن لندن میں ساڑھے تین سال رہے۔ اور وہاں سے پہلے بیرسٹری [بار ایٹ لا] پھر کیمبرج سے بی. اے. کیا۔ انہوں نے ایک خط میں اپنے تعلیمی عزائم کا ذکر اس طرح کیا ہے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

میرا منشاء محض بارسٹری کی سند حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ پورے طور پر مقنن اور قانون داں ہونا ہے۔ کیمبرج کا امتحان البتہ مشکل ہے اور وہاں قانون کی ڈگری میں آنر لینا آسان نہیں ہے، مگر اللہ سے امید ہے کہ مجھ کو کیمبرج کا بی. اے.، ایل. ایل. بی دونوں ملے گا۔ بعد ازاں مجھ کو تین برس میں ہندوستان بیٹھے بیٹھے ایم. اے اور ایل. ایل. ایم. کی ڈگری مل جائے گی۔ اور اس کے پانچ برس بعد انشاء اللہ ایل. ایل. ڈی ہو جاؤں گا اور ڈاکٹر [یعنی حکیم علوم] کا خطاب ملے گا۔ ولایت میں ایم. اے وغیرہ کا امتحان نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص جو بی. اے. ہوتا ہے تین سال کے بعد ایم. اے. ہو جاتا ہے۔''

مہدی حسن کا یہ تعلیمی سفر کسی وظیفہ کے تحت نہیں بلکہ یہ شیخ حبیب اللہ کی عالی حوصلگی کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اس سفر کے تمام اخراجات انہوں نے خود برداشت کئے ۔ یہاں تک کہ مقروض بھی ہو گئے ۔ مہدی حسن کو ان تمام باتوں کا احساس تھا۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ

''اے میرے باپ!

میری بڑی تمنا یہ ہے کہ خدائے پاک مجھ کو اس قابل کردے کہ میں آپ کو مکروہات زمانہ کی تکالیف سے سبکدوش کرسکوں۔ میرے لئے عید کا دن وہ ہوگا جب میں آپ کو فارغ البال دیکھوں گا اور جب اس قابل ہوں گا کہ آپ سے یہ کہہ سکوں کہ ''اے میرے پیارے باپ اب آپ کام نہ کیجئے۔ آپ کا بیٹا مہدی سب کچھ کرے گا، اب آرام کیجئے۔''............والدصاحب علاوہ اس مہر پدری کے جو باپ کو بیٹے کی طرف ہمیشہ ہوتی ہے۔ آپ نے میرے ساتھ ایک خاص محبت رکھی ہے اور جو محنت اور خرچ آپ نے میری عمدہ اور اعلیٰ تعلیم کے بارہ میں برداشت کیا ہے اس کی نظیر کم مل سکتی ہے، یہ صرف آپ کے عمدہ خیالات اور مجھ کو اعلیٰ تعلیم دینے کا اثر ہے کہ میں حافظ ہوا۔ میں نے فارسی پڑھی، میں نے عربی پڑھی، میں نے انگریزی میں علوم حاصل کیے اور بارسٹر ہوں۔............اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ باتیں مہدی کو کیونکر حاصل ہیں تو اس کا مختصراً جواب بجز اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ مہدی کے پیارے باپ نے اس کی تعلیم عمدہ طور پر انجام دی۔

والدصاحب! مبارک ہے وہ باپ جو اپنے بیٹے کو ایسی تعلیم دے اور مبارک ہے وہ بیٹا جو اپنے ایسے باپ پر فخر کرے۔ اے اللہ اب مجھ کو اس قابل کر کہ میں اپنے پیارے باپ کی خدمت پورے طور پر کرسکوں اور اپنا فرض ادا کروں۔''

مہدی حسن ۸/اکتوبر ۱۸۸۸ء کو بی، اے آکسن اور بارایٹ لا کی سند لے کر وطن واپس آئے۔ ان کے استقبال کے لئے شیخ حبیب اللہ نے اعظم گڑھ میں اپنے مکان پر ایک جشن کا انعقاد کیا۔ یہ جشن سات روز تک جاری رہا اور سات روز تک مسلسل دعوتوں کا سلسلے جاری رہا۔ تمام عمائدین شہر وعہدہ داران، حکام اور وکلا وغیرہ شریک ہوئے۔ علامہ شبلی علی گڑھ سے آکر شریک مسرت ہوئے اور استقبالیہ نظم پڑھی، جس کی ردیف آمدہ تھی۔ یہ نظم اب کہیں دستیاب نہیں

ہے۔ علامہ شبلی نے اپنا دیوان شائع کرانے کی غرض سے مولوی محمد سمیع سے مانگا تھا۔اس وقت غالبًا وہ بھی مہیا نہ کر سکے۔

مہدی حسن کی آمد کی خوشی میں شیخ حبیب اللہ نے بندول میں ایک شاندار کوٹھی تعمیر کرائی جوخستہ حالت میں اب بھی موجود ہے اور تعمیر کرنے والوں کے بلند عزم وحوصلہ کی داستان سنا رہی ہے۔اعظم گڑھ کی یہ پہلی کوٹھی ہوگی جو کسی تعلیم یافتہ شخص کے استقبال اور خوشی میں تعمیر کی گئی تھی۔ اب ان حوصلہ مندیوں کے افسانے بھی سننے کو نہیں ملتے۔

مہدی حسن بیرسٹر کی صحت دوران تعلیم لندن ہی میں خراب ہوگئی تھی جو وطن آ کر بھی بحال نہ ہوسکی۔ مجبوراً انہوں نے اپنے مرتبے سے اتر کر جنوری ۱۸۹۲ء میں الہ آباد ہائی کورٹ میں منصفی کا عہدہ قبول کرلیا۔ پانچ برس چھ ماہ اس منصب پر فائز رہے۔علالت دن بہ دن بڑھتی گئی۔ بالآخراسی بیماری میں ۲۹ر جون ۱۸۹۷ء کو اعظم گڑھ میں وفات پائی۔ اس حادثہ پر علامہ شبلی کس طرح ٹوٹ کر روئے، انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

> ’’لو بھائی ہم میں ایک عنصر کم ہوگیا، عزیزی مہدی نے جان دی اور کس حالت کے ساتھ کہ کلیجے کے ٹکڑے اڑ گئے۔ میں بد بخت پاس تھا اور اس لیے جتنے تیر پھینکے سب میرے ہی جگر پر لگے۔ ہائے اس کی جواں مرگی، ہائے کیا معلوم تھا کہ وہ اس قدر جلد دنیا سے چلا جائے گا، ورنہ مجھ پر لعنت اگر میں اس سے ناراض رہتا۔ ہائے سب برائیوں پر وہ سب سے اچھا تھا، آج چوتھا دن ہے لیکن خدا کی قسم اس وقت تک دل نہیں ٹھہرتا، سو بار رو چکا ہوں اور دل نہیں ٹھہرتا، اس کی ایک محبوب یادگار ہے جسے وہ بین کہتا تھا یعنی شافیہ اس سے بار ہا لپٹ کر رویا ہوں لیکن کچھ بھی تو تسلی نہیں ہوتی، اس کو تسلی دینا چاہتا ہوں لیکن خود بے قرار ہو جاتا ہوں، ایک اور اس کے نام سے وابستہ بدقسمت ہے جو پہلے چھوٹی بھاوج تھی لیکن اب پیاری بہن ہے۔تم لوگ مزے سے باہر ہو یاں آفت زدوں کو سنبھالنا میرے سر چھوڑا ہے، ہائے مہدی وائے مہدی۔

بد بخت ازلی۔''(۲)

شبلی

مہدی حسن بڑے ذہین، طباع اور غیر معمولی شخص تھے۔افسوس کہ ان کی کم عمری کی موت نے ملک کوایک ماہر قانون داں اور اردو کوایک ادیب اور ایک انشا پرداز کی انشا پردازیوں سے محروم کر دیا، تاہم زمانہ تحصیل میں لندن سے انہوں نے اپنے والد شیخ حبیب اللہ، چچا شیخ مجیب اللہ اور برادر اکبر علامہ شبلی کو جو خطوط لکھے، جس میں وہاں کے حالات، طرز معاشرت اور علم اور وقت کی قدر وغیرہ و گونا گوں واقعات وموضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔اس سے اس دور کے لندن بلکہ یورپ کا ایک منظر نامہ سامنے آجاتا ہے۔مثلاً لندن کے بارے میں لکھا ہے کہ

> ''اگر آپ یہ چاہیں کہ ہم اعلی درجہ کی شائستگی، اخلاق، محبت، انسانیت، صفائی، امارت، حسن، علم، دولت تمام خوبیوں کو اونچے ٹیلے سے دیکھیں تو وہ بلند مقام اسی لندن میں مل سکتا ہے۔اگر آپ کو یہ منظور ہے کہ بدمعاشی، بدچلنی، قزاقی، دغا بازی، دنیا بھر کی برائیوں کو شکل مجسم میں معائنہ کریں تو وہ لندن ہی کی سڑکوں پر ممکن ہے۔''(۳)

یہ تمام خطوط انہوں نے بڑے دلچسپ انداز میں اور بے ساختہ لکھے ہیں۔ان کا اسلوب نگارش بڑا پرکشش اور دلفریب ہے۔ڈاکٹر ابن فرید نے صحیح لکھا ہے کہ

> ''جہاں وہ گل افشانی پر اتر آتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شوخ وسنگ پہاڑی ندی ہے جو اردو کی ناتراشیدہ چٹانوں کے درمیان اچھلتی، کودتی، بھاگتی، مڑتی، بل کھاتی چلی جارہی ہے۔''(۴)

ڈاکٹر ابن فرید نے مہدی حسن کے تمام [۶۲] خطوط کا مطالعہ کیا تھا۔ان کی یہ خواہش تھی کہ اسے شائع ہونا چاہیے۔اس غرض سے انہوں نے ایک مضمون لکھا تھا۔ان کا خیال تھا کہ

> ''اگر اس کی اشاعت کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے تو غالب اور شبلی کے بین بین کا ایک منفرد اسلوب کا مالک مکتوب نگار منظر عام پر آجائے جو لندن میں بیٹھ

کر خط لکھتا ہے اور لاشعوری طور پر انگریزی فقروں، محاوروں اور بول چال
کے جملوں کو اردو میں ڈھالتا چلا جاتا ہے۔'' (۵)

ڈاکٹر ابن فرید نے مہدی حسن کے خطوط کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور قدرے تفصیل سے اس کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

''مہدی کے خطوط میں ایک والہانہ پن ہے۔ شوخی اور بے تکلفی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہوگا کہ ان کے خطوط میں علامہ شبلی کا اسلوب جھلکتا ہے۔ معلوم نہیں یہ اسلوب انہوں نے علامہ سے اخذ کیا ہے یا علامہ نے اپنے خاندان کے انگریزی داں رشتہ داروں سے اخذ کیا ہے۔ حجاب اور پردہ داری کا انداز مہدی کے یہاں نہیں پایا جاتا۔ وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں یا تجربہ کرتے ہیں، وہ بے کم و کاست اپنے باپ کو بھی لکھ دیتے ہیں۔ یہ شبلی کے خاندان کی صفت ہے۔ علامہ شبلی کے لئے بھی یہی لطفِ بیان رسوائی کا باعث ہوا اور مہدی کے لئے بھی۔ اس کی جڑیں ہمیں ان دونوں کے والد شیخ حبیب اللہ کے یہاں ملتی ہیں۔ ان کو جب مہدی کے خطوط ملتے تھے تو وہ اپنے حلقۂ احباب میں سناتے تھے، جن پر حاشیہ آرائیاں ہونے لگیں اور شبلی کو مہدی کی یہ بدنامی ناگوار گذری، چنانچہ انہوں نے اس کا اظہار اپنے ایک عزیز مولوی محمد سمیع کے خط میں کیا اور ان کو ہدایت کی کہ وہ مہدی کو اس سلسلے میں احتیاط کی تاکید کریں۔'' (۶)

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ علامہ نے خود کبھی احتیاط نہ کی۔ محمد مہدی کے خطوط سے ان کی بعض غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً زیادہ تر وہ پیراگراف اس طرح شروع کرتے ہیں جیسے کوئی مقرر سامعین کو خطاب کر رہا ہو۔ جزئیات نگاری میں ان کو کمال حاصل ہے۔ لطفِ بیان کے لئے لطیفے یا شگوفے بھی چھوڑتے چلتے ہیں۔ اپنی قابلیت اور ذہانت کا

انہیں غیر معمولی طور پر احساس ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں خود محظوظ ہوتے ہیں اور مکتوب الیہ کی تصدیق کے بھی متمنی رہتے ہیں۔ مگر جب ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی مدح سرائی خود کر رہے ہیں تو اس کی تاویل بھی کرتے ہیں۔ وفور جذبات سے ان کا ہر خط مملو رہتا ہے۔ لندن اور یورپ کا ماحول، عادات واطوار اور معاشرتی اقدار کے سامنے ان کی نظریں خیرہ ہیں، لیکن ان کا دل ہمیشہ اعظم گڑھ، بندول اور جونپور میں اٹکا رہتا ہے۔ وہ دور رہ کر بھی اپنے عزیزوں کو نہیں بھولتے۔ بعض خطوط میں سلام کہنے کے لئے ناموں کی طول طویل فہرست درج کر دیتے ہیں۔ محمد سلمہ تو شاذ و نادر ہی ان کے کسی خط میں نظر انداز ہوتے ہیں۔ اپنے پتہ میں اپنے قلم سے مسٹر لکھتے ہیں۔ داڑھی منڈوانے، عورتوں کی حکومت اور مغربی لباس کے بے حد موئید نظر آتے ہیں مگر یہ بھی نہیں بھولتے کہ ایک ہندوستانی کی شرف ومقبولیت کے لئے کن صفات کی ضرورت ہے؟ کیوں وہ بلند نہیں ہو پاتا؟ منشی محمد اکرام کے صاحب زادے محمد بلال اور دوسرے ہم وطن عبدالرؤف سے خوش نہیں رہتے لیکن جب ہندوستان واپس جاتے ہیں تو مہدی اپنے والد کو تاکید کرتے ہیں کہ ان کے استقبال کے لئے وہ جونپور جائیں اور اپنے یہاں قیام کروائیں۔ ان سب حقائق کو اگر مربوط کیا جائے تو آخر انیسویں صدی کے مشرقی گھرانے کی تہذیب اور اخلاقی قدروں کا واضح طور پر اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تہذیب ہمیں ان خطوط کے ذریعے ذہنی طور پر مرعوب اور احساس کمتری کا شکار نظر آتی ہے، مگر بعض اچھی صفات نے اس کے اندر اتنی گہری جڑیں پکڑ لی ہیں کہ وہ اس وقت تک خشک نہیں ہوئی تھیں۔ یہ مشرق اور مغرب کی کشمکش کا دور تھا۔ ایک تہذیب دوسری تہذیب پر بڑی تیزی کے ساتھ غالب آ رہی تھی ایک رنگ ماند پڑ رہا تھا اور دوسرے کے نقوش ابھر رہے تھے۔ مہدی کے خطوط میں ان رنگوں

اور نقوش کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔''(۷)

حافظ محمد مہدی حسن کے جو خطوط راقم کو یہاں وہاں سے ملے انہیں مرتب کر کے تعلیقات و حواشی کے ساتھ ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے۔ ان خطوط کی دلکشی و دلآویزی میں اب تک کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔

حوالے

(۱) مکاتیب شبلی حصہ دوم ۲۰۱۲ء۔ص ۲۲۵

(۲) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۹۹-۱۰۰

(۳) مکتوب بنام شبلی ۔ ۵؍جون ۱۸۸۵ء، مشمولہ علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ص ۱۴۲

(۴) ماہنامہ ادیب علی گڑھ ۔ جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۹

(۵) ادیب علی گڑھ جولائی اگست ۱۹۶۳ء، ص ۸

(۶) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۹۵

(۷) ماہنامہ ادیب علی گرھ، جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۷-۸

حامد علی خاں بیرسٹر

[۱۸۶۱-۱۹۱۸ء]

حامد علی خاں بیرسٹر ایٹ لا لکھنو کے نامی گرامی وکیل اور ماہر قانون تھے۔ علامہ شبلی نے وقف علی الاولاد کے سلسلہ میں ان سے بھی رابطہ قائم کیا تھا۔ پھر رسالہ وقف علی الاولاد ان کے پاس بھیجا تو انھوں نے لکھا کہ

> ''عنایت نامہ و تجویز متعلق مسئلہ وقف موصول ہوئے۔ نہایت عمدہ تجویز ہے۔ میرا خیال اس طرف عرصہ سے ہے، بلکہ ایک مسودہ نہایت مدلل اور مفصل لکھ کر ایک صاحب کو دیا تھا۔

حامد علی

۴رفروری ۱۹۰۸ء(۱)

حوالے

(۱) رپورٹ کارروائی انجمن وقف علی الاولاد ص ۳

میر ولایت حسین

[۱۸۶۲-۱۹۴۹ء]

میر ولایت حسین علامہ شبلی نعمانی کے علی گڑھ کے احباب میں تھے۔ ریواڑی کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی آئے اور ۱۸۸۱ء میں انٹرنس پاس کیا۔ پھر ایم اے او کالج علی گڑھ آئے اور فرسٹ ایر میں داخل ہوئے۔ بی اے پاس کر کے یہیں ملازمت اختیار کر لی۔ علی گڑھ اسکول میں سکنڈ ماسٹر اور ہیڈ ماسٹر رہے۔ بعد میں انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور ڈیوٹی شاپ کے بھی ذمہ دار ہوئے۔ اور دونوں ذمہ داریاں بخوبی نبھائیں۔

وہ ایک پختہ مشق اہل قلم اور مضمون نگار تھے۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور علی گڑھ کے بعض دوسرے رسائل میں بھی انہوں نے مضامین لکھے۔ ۱۹۲۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ تاہم قیام علی گڑھ ہی میں رہا۔ ۸رجولائی ۱۹۴۹ء کو یہیں وفات پائی۔

میر ولایت حسین نے خودنوشت ''آپ بیتی یا کالج کی کہانی'' کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں ان کا کم علی گڑھ کالج کا تذکرہ زیادہ ہے۔

علی گڑھ سے مولوی وحیدالدین سلیم [۱۸۶۹-۱۹۲۸ء] نے جو ماہنامہ معارف جاری کیا تھا، اس کے جاری کرنے کا اولاً منصوبہ علامہ شبلی اور میر ولایت حسین نے بنایا تھا، مگر بوجوہ نہ نکال سکے، جس پر یہ علامہ شبلی سے بہت ناراض ہوئے۔

مئی ۱۸۹۸ء میں علامہ شبلی ایم اے او کالج علی گڑھ سے مستعفی ہوئے۔ اس سے پہلے ان

کے اکلوتے فرزند حامد حسن نعمانی علی گڑھ کالج میں داخل ہو چکے تھے۔ حامد حسن نعمانی کے نام علامہ شبلی نے جو خطوط اعظم گڑھ اور بعض دوسرے شہروں سے لکھے ہیں بیشتر انہیں میر ولایت حسین کی معرفت لکھے گئے ہیں۔

علی گڑھ سے علاحدگی کے بعد ۱۹۰۳ء میں جب علامہ شبلی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری منتخب ہوئے اور میر ولایت حسین اس کے رکن انتظامی تو ایک بار پھر دونوں کا ساتھ ہوا اور جب تک علامہ شبلی انجمن سے وابستہ رہے دونوں ساتھ کام کرتے رہے۔ ان کی شرکت ہی کی بدولت انجمن ترقی اردو کے مولفین ومترجمین کو معاوضہ دیا جا سکا تھا۔

میر صاحب کے نام مکتوبات شبلی میں محض ایک نامکمل مکتوب شبلی شامل ہے۔

مولوی حکیم محمد عمر

[•••]

مولوی حکیم محمد عمر کے تعارف میں مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ

''مولانا کے ہم تعلیم، وہم صحبت اور عہد شباب کے دوست اعظم گڑھ میں محافظ دفتر ہیں۔ اور نیز مطب کرتے ہیں۔ مدرسہ دیوبند میں تعلیم پائی ہے۔'' (مکاتیب شبلی ج ا ص ۵۴)

مفتی شیر علی حیدرآباد

[م: ۱۵ر فروری ۱۹۳۶ء]

مولانا مفتی شیر علیؒ صاحب بڑے عالم وفاضل شخص تھے۔ علوم اسلامیہ پر کمال دسترس رکھنے والے بزرگ عالم دین تھے۔

مفتی شیر علی صاحب کا وطن گڑ گاؤں تھا۔اسی ضلع کے ایک موضع ''تر کیا داس'' میں پیدا ہوئے۔دہلی، رنگون اور ریاست جھجر کے ثقہ علماء وفضلاء سے تحصیل علم کیا۔مولا نا مفتی ہدایت اللہ رامپوریؒ اور مولا نا مفتی عبداللہ ٹونکیؒ ان کے خاص اساتذہ میں ہیں۔درسیات پر بے پناہ دسترس تھی۔علامہ شبلیؒ کی خواہش پر وہ ندوۃ العلما تشریف لائے اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ان کی تقرری سے تعلیم وتعلم کا ندوہ میں ایک نیا دور شروع ہوا مگر وہ جلد ہی واپس حیدر آباد چلے گئے اور وہاں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔آخر میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں علم کلام کے پروفیسر مقرر ہو گئے تھے اور یہیں سے قبل از وقت خرابی صحت کی بنا پر وظیفہ یاب ہوئے۔۱۵رفروری ۱۹۳۶ء کو حیدر آباد میں وفات پائی۔

ندوہ کو ترقی دینے اور اس کے تعلیمی معیار کو بلند رکھنے کے لئے علامہ شبلی نے بڑی جدو جہد کی تھی۔مولا نا مفتی شیر علی صاحب سے خط وکتابت اور پھر ان کا تقرر اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ان کے نام علامہ شبلی کے ۱۴رخطوط نقوش لاہور کے مکاتیب نمبر میں شائع ہوئے ہیں، جنہیں راقم نے اپنی کتاب ''مکتوبات شبلی'' طبع اول میں شامل کیا تھا۔اس کے بعد مزید ۹راور خطوط دستیاب ہوئے جو حیدر آباد سٹی کالج کے ترجمان مجلّہ الموسی [ج ۵ ش ۱-۲] میں شائع ہوئے ہیں اور جنہیں ان کے نواسے سید عبدالجلیل نے شائع کرایا ہے۔

(مجلّہ الموسی، حیدر آباد۔ج ا ش ا-۲، ص ۵۸)

اس طرح ان کے کل ۲۳رخطوط مدون ہو کر مکتوبات شبلی میں شائع ہو چکے ہیں۔ان کے نام مکاتیب میں بیشتر ندوہ اور وہاں کی تعلیم وتربیت کا ذکر ہے۔

علامہ حمید الدین فراہیؒ

[۱۸۶۳-۱۹۳۰ء]

علامہ حمید الدین فراہی کو دنیا ترجمان القرآن اور علوم القرآن کے ماہر کی حیثیت سے

جانتی ہے۔کم لوگوں کومعلوم ہوگا کہ وہ عربی وفارسی کے انتہائی قادرالکلام شاعر بھی تھے۔اردو میں بھی دادسخن دیتے تھے۔ان کی ادبی زندگی کا آغاز شعروشاعری سے ہوا تھا۔۱۶رسال کی عمر میں فارسی کے مشکل گوشاعر خاقانی شروانی کے تتبع میں قصیدہ کہا،جس کی ردیف آئینہ اور قافیہ جوہر، کیفروغیرہ ہے۔مولانا فاروق چریا کوٹی[۲۸راکتوبر۱۹۰۹ء] نے دیکھا تو اسے قدما کا کلام بتایا اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ عبدالحمید کا کلام ہے تو سخت متحیر ہوئے۔(۱)

ان کے عربی کلام کا مجموعہ''**دیوان المعلم عبدالحمید**''اور فارسی کلام کا مجموعہ ''نوائے پہلوی'' شایع ہو چکے ہیں۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے مواعظ کا عبرانی سے خالص فارسی (دری) میں،جس میں عربی الفاظ کی آمیزش نہیں منظوم ترجمہ کیا ہے جو''خردنامہ'' کے نام سے اختر دکن پریس حیدرآباد سے شائع ہوا۔البتہ مولانا کم گو تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے دونوں مجموعہ ہائے کلام کی ضخامت بہت کم ہے۔ان دونوں زبانوں پر ان کے کمال دست رس کا ارباب کمال نے اعتراف کیا ہے۔شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی کا بیان ہے کہ

> ''علامہ فراہی عربی بولنے پر پوری طرح قادر ہیں۔زبان انتہائی فصیح وبلیغ ہے۔علمائے ہند تو کجا علمائے عرب بھی ایسے قادرالکلام خال خال ہیں۔''(۲)

مولانا فراہی ۱۸رنومبر۱۸۶۳ء کو موضع پھریہا ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔حفظ قرآن اور ابتدائی فارسی کتابیں مولوی مہدی حسین سے پڑھنے کے بعد اپنے پھوپھی زاد بھائی اور شہرہ آفاق عالم ومصنف اور سیرت نگار علامہ شبلی سے درسیات کی تکمیل کی۔بعدازاں مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ[۱۸۴۹-۱۸۸۷ء] اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری[۱۸۱۶-۱۸۸۷ء] سے فقہ وادب کی تعلیم حاصل کی۔جدید علوم کی تحصیل کے لئے ۱۸۹۱ء میں وہ ایم اےاو کالج علی گڑھ گئے۔سرسید احمد خاں[۱۸۱۷-۱۸۹۸ء]،مولانا شبلی [۱۸۵۷-۱۹۱۴ء] اور پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ [۱۸۶۴-۱۹۳۰ء] جیسے جہاں دیدہ کے درمیان رہ کر بی اے کیا اور یونیورسٹی میں اول آئے۔ان کی طالب علمی کا یہ واقعہ علی گڑھ کی تاریخ میں ہمیشہ یادرکھا جائے گا کہ انہیں عربی و فارسی کی مسلمہ قابلیت کی بنا پر بی اے،میں سرسید احمد خاں نے عربی وفارسی سے مستثنٰی قرار دیدیا

تھا۔اور پرنسپل مسٹر بیک کو لکھا کہ ان کی صلاحیت اساتذہ کے ہم پلہ ہے۔ یہ جملہ پرنسپل مسٹر بیک کو ناگوار گذرا۔ چنانچہ انہوں نے علامہ شبلی سے اپنی ناگواری کا اظہار کیا۔علامہ شبلی مسکرائے اور کہا کہ میرے لئے تو یہ فخر کی بات ہے، کیونکہ سر سید احمد خاں کے یہ ممدوح فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں میرے شاگرد ہیں۔(۳)

تحصیل علم کے بعد مولانا فراہی ملک کے مختلف مدارس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔آخر میں اس دارالعلوم حیدرآباد کے پرنسپل مقرر ہوئے جسے بعد میں جامعہ عثمانیہ بنایا گیا۔اس کے نظام ونصاب بنانے میں بھی ان کا اوران کے بھائی علامہ شبلی کا بڑا حصہ ہے۔اردو ذریعہ تعلیم اور نصاب تعلیم کا تصور بھی انہیں کے اخاذ ذہن کا نتیجہ ہے۔

علامہ شبلی کی خواہش تھی کہ وہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں۔مولانا حمیدالدین فراہی ان کی زندگی میں تو نہ آسکے۔البتہ ۱۹۱۹ء میں حیدرآباد کی پرنسپل شپ کو خیر باد کہہ کر مدرسۃ الاصلاح آئے اور پھر مر کر ہی اس سے جدا ہوئے اور اپنی ذاتی کوشش اور مسلسل دلچسپی سے مدرسۃ الاصلاح کو علوم القرآن کا مرکز بنادیا۔

یہیں بینائی متاثر ہوئی۔آپریشن کے لئے اپنے قدیم معالج کے پاس ضلع متھرا گئے۔ ۱۱رنومبر ۱۹۳۰ء کو وہیں وفات پائی اور متھرا ہی کی خاک کا پیوند ہوئے۔

مولانا فراہی کا اصل میدان تحقیق اور تفسیر قرآن مجید تھا،جس میں ان کی مہارت کی داد بڑے بڑے اہل علم، نامور مفسرین اور علوم اسلامیہ کے ماہرین نے دی ہے۔اس میں شیخ محمد رشید رضا مصری [۱۸۶۵- ۱۹۳۵ء] علامہ شبلی [۱۸۵۷- ۱۹۱۴ء] شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی [۱۸۹۳-۱۹۸۷ء]،مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی [۱۹۰۳-۱۹۷۹ء] اور مولانا سید سلیمان ندوی [۱۸۸۴- ۱۹۵۳ء] جیسے مشاہیر کے نام شامل ہیں۔

علامہ حمیدالدین فراہی عربی زبان کے ایک عظیم مصنف تھے۔ان کی مندرجہ ذیل تصنیفی یادگاریں ہیں:

(۱) جمهرة البلاغه (۲) القائد الیٰ عیون العقائد (۳) الرای الصحیح

فی من هو الذبیح (۴) مفردات القرآن (۵) الامعان فی اقسام القرآن (۶) فی ملکوت الله (۷) دلائل النظام (۸) التکمیل فی اصول التاویل (۹) اسالیب القرآن (۱۰) فاتحة نظام القرآن (۱۱) امثال آصف الحکیم (۱۲) اسباق النحو (۱۳) اسباق الصرف وغیرہ

علامہ شبلی علامہ فراہی کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ عمر میں محض ۶ رسال بڑے تھے، علامہ شبلی نے ان کی تربیت میں گہری دلچسپی لی۔ متوسطات تک کی تمام تر تعلیم مولانا فراہی نے انہیں سے حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علامہ شبلی سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ شمس العلما کا خطاب ملنے کی خوشی میں جن احباب اور تلامذہ نے شان علامہ شبلی کی شان میں قصیدے کہے تھے ان میں مولانا حمید الدین فراہی بھی شامل ہیں۔ مولانا فراہی اس وقت علی گڑھ میں بی اے کے طالب علم اور اخوان الصفاء اور لجنۃ الادب کے رکن تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ قصیدہ حیات شبلی میں مع اردو ترجمہ شایع کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ دیوان حمید [ص ۴۸ - ۴۹] ماہنامہ الاصلاح سرائے میر [جولائی ۱۹۳۸ء ص ۴۱۸ - ۴۱۹] اور ماہنامہ الضیاء لکھنؤ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ مولانا فراہیؒ کی عربی زبان میں پہلی کاوش ہے۔ باوجود اس کے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی پختہ مشق شاعر کا کلام ہے۔

علامہ شبلی کو ان پر بڑا اعتبار اور بڑا ناز تھا۔ وہ اپنے جن شاگردوں کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے، مولانا فراہیؒ ان میں سرفہرست تھے۔ علامہ کے متعدد خطوط میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

علامہ شبلی جب اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے اور اپنے تلامذہ کو تار بھیج کر بلوایا تو سب سے پہلے مولانا فراہی ہی کو تار بھجوایا تھا۔ وہ اس وقت حیدرآباد میں دارالعلوم کے پرنسپل تھے۔ وہ جب اعظم گڑھ پہنچے تو سیرت نگار رسولؐ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ بھائی کی آنکھ کھول کر دیکھی اور ساکت رہ گئے۔ تین روز بعد علامہ شبلی کے ادھورے کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اخوان الصفا کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا فراہی اس کے صدر بنائے گئے۔ انہوں نے جماعت نعمانیہ بھی قایم کی اور آخر تک اسی مشن میں لگے رہے۔

علامہ شبلی نعمانی اخیر دور میں جب ہر طرف سے مایوس اور ''پاجیوں کی عوعو'' سے نکل کر وطن واپس آئے اور شبلی منزل میں سکون کی سانس لی تو انہیں پھر ملت کے درد نے ستایا۔ چنانچہ مدرسۃ الاصلاح، شبلی کالج اور دارالمصنّفین کو ملا کر ایک جامعہ اسلامیہ کا تصور پیش کیا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی، مگر عمر نے وفا نہ کی اور یہ کام ان کے تلامذہ نے انجام دیا۔ مولانا حمیدالدین فراہی نے مدرسۃ الاصلاح اور مولانا سید سلیمان ندوی نے دارالمصنّفین کو کامیابی سے چلا کر علامہ شبلی کے خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی حتیٰ الامکان کوشش کی۔ یہ مولانا فراہی کی کتاب زندگی کا ایک نہایت اہم باب ہے۔

عزیز بھائی سے علامہ شبلی کی مراسلت بھی قائم رہی، بلکہ وہ جہاں بھی رہے علامہ شبلی کے رابطے میں رہے۔ مکاتیب شبلی حصہ اول میں ان کے نام علامہ شبلی کے ۷۷رخطوط شامل ہیں۔ پہلا خط ۱۸رنومبر ۱۸۹۶ء کا ہے، جبکہ آخری خط ۲۸راکتوبر ۱۹۱۴ء کا ہے۔ (۴) تین خطوط مکاتیب شبلی کی اشاعت کے ایک عرصہ بعد دریافت ہوئے جو راقم کے مرتبہ مجموعہ ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہیں۔(۵) اس طرح ان کے نام خطوط کی مجموعی تعداد ۸۰ ہو گئی ہے۔

علامہ فراہیؒ نے علامہ شبلی کو جو خطوط لکھے وہ محفوظ نہیں رہے، ورنہ دونوں کی مکاتبت کو سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوتی۔ البتہ بعد میں مکاتیب فراہی میں علامہ شبلی کے نام مولانا فراہی کے تین خطوط شائع ہوئے جنہیں راقم نے اپنی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شامل کر دیا گیا ہے۔(۶)

دونوں بزرگوں کے خطوط کا مطالعہ مختلف نوعیّتوں سے کیا گیا ہے۔ اور اب بھی کیا جاتا رہتا ہے۔ دونوں کی عربی دانی، اسلامی علوم وفنون پر گہری نظر، قرآن پاک بالخصوص تفاسیر اور اس کے متعلقات وغیرہ کا زیادہ بیان ہے، تاہم حقیقت واقعہ یہ ہے کہ موضوع کا حق پورے طور پر ابتک ادا نہیں کیا جا سکا ہے۔ دراصل یہ ایک وسیع مطالعے اور تحقیقی مقالے کا متقاضی ہے۔

حوالے

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی، یادرفتگاں ص ۱۱۳

(۲) الضیاء۔ رجب ۱۳۵۲ھ بحوالہ علامہ حمید الدین فراہی حیات وافکار ص ۵۶

(۳) مجموعہ تفاسیر فراہی ص ۲۴

(۴) مکاتیب شبلی حصہ دوم ص ۱-۴۸

(۵) مکتوبات شبلی ص ۷۸-۸۰

(۶) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ص ۶۸-۹۰

مولوی محمد عمر

[•••]

مولوی محمد عمر مولانا سید سلیمان ندوی کی صراحت کے مطابق موضع دینا پارہ اصلاً بینا پارہ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ علامہ شبلی کے اعظم گڑھ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے نام ''مکاتیب شبلی'' حصہ دوم میں ۸/ فارسی خطوط شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں کسی قسم کی تفصیل دستیاب نہیں ہوئی۔

دارالمصنّفین قائم ہوا تو یہ زندہ تھے۔ کلیات شبلی کی ترتیب کے وقت اپنی بیاض جس میں علامہ شبلی کا بھی کلام تھا، مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حوالہ کی تھی۔ بعد میں وہ بیاض کیا ہوئی؟ کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ علامہ شبلی سے اس تعلق کے بعد بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ نہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں اور نہ ماہنامہ الاصلاح سرائے میر میں۔ موضع بینا پارہ کے لوگ بھی اپنے اس بزرگ سے ناواقف ہیں۔ صاحب ''تذکرہ علمائے اعظم گڑھ'' مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند نے بھی ان کا تذکرہ نہیں لکھا ہے۔

علامہ شبلی کے ابتدائی دور کے خطوط مولوی محمد سمیع کے علاوہ مولوی محمد عمر صاحب نے بھی سینے سے لگا کر محفوظ رکھے تھے اور جب اس کی تدوین واشاعت کا موقع آیا تو مدون مولانا سید سلیمان ندوی کے حوالہ کیا، جس سے علامہ شبلی کی ابتدائی زندگی کے احوال تو معلوم ہوتے ہی ہیں

ان کی عقیدت شبلی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔کلام شبلی میں خود مولوی محمد عمر کی نوید شادی پر کہی گئی علامہ شبلی کی ایک نظم بھی شامل ہے۔اس کا پہلا شعر یہ ہے:

در عیش وطرب باز است امروز
جہان را کار با ساز است امروز (۱)

حوالے

(۱) کلیات شبلی فارسی ص۹۹-۱۰۰

مولوی عبداللہ بلوچی ندوی

[•••]

مولوی عبداللہ بلوچی ندوی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔البتہ جیسا کہ ان کے نام سے واضح ہے کہ وہ بلوچستان کے باشندہ اور دارالعلوم ندوۃ العلما کے فاضل تھے۔ایم اے او کالج علی گڑھ سے بی اے کی سند حاصل کی تھی۔ان کے نام ''مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں محض ایک خط شامل ہے، جو ان کے مفصل خط کے جواب میں لکھا گیا ہے اور جس میں انہوں نے ندوہ کی ابتری کا حال لکھا تھا۔

علامہ سید رشید رضا مصری

[۱۸۶۵-۱۹۳۵ء]

علامہ سید رشید رضا مصر کے نامور علماء اور دانشوروں میں سے تھے۔مصر سے ''المنار'' کے نام سے ایک مجلّہ نکالتے تھے جس کا شمار مصر کے اہم اور مقبول ترین رسائل میں ہوتا تھا۔المنار مصر ہی میں نہیں ہندوستان میں بھی بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا۔قرآن مجید، احادیث اور تاریخ

اسلام پر ان کی بڑی گہری اور عالمانہ نظر تھی۔ ''تفسیر المنار'' کے نام سے کئی جلدوں میں تفسیر قرآن لکھی ہے۔ان کی وفات کے سبب یہ تفسیر نامکمل رہ گئی۔

علامہ سید رشید رضا اگر چہ قد ما اور ان کے فکر ونظر پر گہری نظر رکھتے تھے، تاہم واقعہ یہ ہے کہ وہ جدید، روشن اور مفید خیالات کے بڑے حامل تھے۔اصلاً وہ شیخ محمد عبدہ کے شاگرد تھے۔

وہ ایک ممتاز اہل قلم اور مصنف ومفسر قرآن تھے۔انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں۔ان کی آخری تصنیف ''**الرمی المحمدی**'' ہے۔اردو میں اس کا ترجمہ بھی کلکتہ سے شائع ہو چکا ہے چونکہ علامہ شبلی کے ہم خیال تھے،اس لئے دونوں میں گہرے مراسم قائم رہے۔انہی تعلقات کی بنا پر علامہ شبلی نے جب ۱۹۱۲ء کے ندوہ کے اجلاس کی صدارت کے لئے انہیں منتخب کیا تو انہوں نے بسر وچشم قبول کرلیا اور تشریف لائے ،جن لوگوں نے ان کی تقریر سنی تھی ان کا خیال ہے کی بڑی غضب کی تقریر تھی۔

ماہنامہ الندوہ لکھنو میں علامہ شبلی نے ان پر اوران کے افکار وخیالات پر مضامین شائع کئے ہیں۔اسی طرح سید رشید رضا نے بھی علامہ شبلی کے عالمانہ کاموں پر اپنے مجلّہ المنار میں مضامین شائع کئے۔جرجی زیدان کی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی کا الانتقاد کے نام سے رد لکھا ہے۔ ہندوستان میں خود علامہ شبلی نے لکھنو سے اور سید رشید رضا نے اسے المنار مصر سے طبع کرایا اور اپنے رسالہ المنار میں لکھا کہ یہ کام میں خود کرنا چاہتا تھا اور علمائے مصر کو بھی متوجہ کیا لیکن جرجی زیدان کے ہفوات اس قدر پھیلے ہوئے تھے کہ اس کا جواب دینا آسان نہ تھا۔آپ نے کر دکھایا یہ آپ کا علمی دنیا پر احسان ہے۔

ان گونا گوں تعلقات کی بنا پر دونوں میں مسلسل خط وکتابت بھی رہی ،مگر ان کے نام علامہ شبلی کے دو خطوط حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں اور دونوں مکتوبات شبلی طبع جدید ۲۰۲۱ء میں شامل ہیں۔ان میں تقریباً وہی باتیں آئی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔البتہ دوسرے خط میں بیگم بھوپال نواب سلطان جہاں کے سفر عرب وافریقہ میں تعاون اوران کے بچوں کے لئے اتالیق کا نظم کرنے کی گذارش کی گئی ہے۔گویا یہ خط بیگم سلطان جہاں کی خواہش پر لکھا گیا ہے۔

نواب سر مزمل اللہ خاں

[۱۸۶۵-۱۹۳۸ء]

نواب سر مزمل اللہ خاں رئیس بھیکم پور علی گڑھ علامہ شبلی نعمانی کے خاص احباب میں تھے۔بھیکم پور شروانی خاندان کے ایک بڑے باوقار، سنجیدہ، سخی، فیاض، نیک اور شریف النفس انسان تھے۔ فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ مرزا سنجر طہرانی سے اصلاحیں لی تھیں۔ ان کا کلام ملک کے دوسرے رسائل کے علاوہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں بھی شائع ہوا ہے اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی ان کا پورا دیوان مرتب تھا۔(۱) خدا جانے وہ شائع ہوا یا نہیں۔

نواب مزمل اللہ خاں بقول خود سر سید احمد خاں کی گود میں کھیل کر جوان ہوئے تھے۔ انہیں قومی وملی کاموں سے بڑا گہرا لگاؤ تھا۔ سخاوت، فیاضی اور دریادلی ان کے خاص جوہر تھے۔ چنانچہ علی گڑھ کالج ، ایجوکیشنل کانفرنس، اسلامیہ اسکول اٹاوہ، بنارس ہندو یونیورسٹی، الہ آباد یونیورسٹی، دارالعلوم ندوہ، دارالعلوم دیوبند اور دارالمصنّفین وغیرہ متعدد قومی وملی ادارے ان سے فیضیاب ہوئے اور بعض ادارے تو مسلسل فیضیاب ہوتے رہے۔

اردو کی مشہور شاعرہ ز.خ.ش. [زاہدہ خاتون شروانیہ] انہی کی صاحبزادی تھیں، جنہوں نے علامہ شبلی کی وفات پر ان کی یاد میں زبردست نظم کہی ہے، جو ان کے مجموعہ کلام میں شامل ہے اور جسے راقم نے اپنی کتاب ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' میں مع ان کے مختصر حالات کے درج کیا ہے۔(۲)

علامہ شبلی سے بڑے گہرے اور مخلصانہ مراسم تھے۔ خط و کتابت سے سے بے تکلفانہ تعلقات اور محبت آمیز مراسم کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے علامہ شبلی کے تقریباً ہر دینی و مذہبی اور ملی تحریک میں ان کا تعاون کیا۔ بعد از وفات علامہ کی یادگار دارالمصنّفین سے انہوں نے خصوصی دلچسپی لی۔ دارالمصنّفین کی موتی مسجد انہی کی تعمیر کردہ ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کی وفیات میں لکھا ہے کہ

''مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں میں تھے۔اسی کا اثر یہ تھا کہ وہ مولانا مرحوم کے کاموں اور تحریکوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔ندوہ کی طرف ان کا التفات مولانا ہی کے دم قدم اور قلم کے اشاروں سے ہوا۔اور دارالمصنّفین کی طرف ان کی چشم کرم بھی اسی نسبت کی مرہون ہے۔دارالمصنّفین اپنی ۲۴ ربرس کی عمر میں حیدرآباد، بھوپال کی سرکاروں کے علاوہ اگر کسی محسن کے فیض سے مستفید ہوا ہے تو وہ بھیکم پور کے رئیس کی ذات تھی۔مرحوم نے دارالمصنّفین کی مسجد پانچ ہزار کے خرچ سے بنوائی اوراس کے لئے دری کا فرش اور پردے بنوا کر بھیجے۔''(۳)

مرحوم کے نام علامہ شبلی کے چار خطوط اورفکر تازہ کے عنوان سے بھیجی گئی ایک غزل ان کے صاحبزادے نواب رحمت اللہ خاں شروانی کے پاس ایک زمانہ سے محفوظ تھے۔میری خواہش پرنواب صاحب مرحوم نے ان غیر مطبوعہ خطوط کے عکس فراہم کئے۔جسے راقم نے ان کے شکریہ کے ساتھ مکتوبات شبلی میں شائع کیا ہے۔افسوس اس کی اشاعت سے پہلے نواب صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حوالے

(۱) وفیات معارف ص ۱۰۷

(۲) شبلی سخنوروں کی نظر میں ص

(۳) وفیات معارف ص ۱۰۷

مولوی حکیم قیام الدین بخؔت جونپوری

[۱۸۶۵-۱۹۴۸ء]

مولوی حکیم قیام الدین بخؔت جون پوری بڑے عالم و فاضل شخص تھے۔جون پور کے

تاریخی محلّہ ملاٹولہ میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کی اور اس میں بڑا کمال پیدا کیا۔ شاہی عیدگاہ اور جامع الشرق کے امام اور جون پور کے آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ تحریک ندوہ سے انہیں بڑی دلچسپی تھی۔ شاعری میں امیر مینائی [۱۸۲۹-۱۹۰۰ء] سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ۱۹۴۸ء میں ضلع کملہ، بنگلہ دیش میں وفات پائی۔

علامہ شبلی، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، منشی امیر مینائی [۱۸۲۹-۱۹۰۰ء]، سر شاہ سلیمان [۱۸۸۶-۱۹۴۱ء]، مولانا سید عبدالحی حسنی [م: ۲؍فروری ۱۹۲۳ء]، جلیل مانک پوری [۱۸۶۶-۱۹۴۶ء]، حفیظ جونپوری [۱۸۶۵-۱۹۱۸ء] ڈپٹی عشرت حسین خلف اکبرالہ آبادی، اختر مینائی [۲۷-۱۸۷۱-۱۹۴۰ء]، اور آہ مینائی وغیرہ سے ان کے مراسم اور خط وکتابت تھی۔ علامہ شبلی نعمانی سے بھی تعلقات تھے۔ ان کے نام علامہ شبلی کے تین خطوط محمد عرفان جون پوری محلّہ میر مست شہر جون پور کے پاس تھے، جنہیں راقم الحروف نے 'مکتوبات شبلی' میں شامل کر دیا ہے۔

قاضی محمد خلیل حیراںؔ

[۱۸۷۹-۱۹۳۹ء]

خان بہادر قاضی محمد خلیل حیراںؔ رئیس اعظم بریلی خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی نسل سے تھے۔ مدت دراز سے ان کا خانوادہ بریلی کے عہدۂ قضا پر مامور تھا۔ خود قاضی محمد خلیل بھی اسی عہدہ پر مدۃ العمر فائز رہے۔

قاضی محمد خلیل صاحب قاضی عبدالجمیل جنوںؔ کے صاحبزادے اور جانشین تھے۔ مولانا ہدایت علی اور مولانا محمد فضل حق صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ادیب، شاعر اور اہل قلم تھے۔ خاص طور پر اردو شاعری میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کے عہد کے رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔ ماہنامہ کمال دہلی میں مارچ اپریل ۱۹۱۲ء میں ان کا کلام راقم کی نظر سے گذرا ہے۔

قاضی صاحب میں قومی وملی جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ وہ ملی فلاح و بہبود کے کاموں میں بڑھ کر حصہ لیتے۔ پبلک انسٹی ٹیوٹ بریلی کے رکن اور بریلی کالج کے ٹرسٹی تھے۔علاوہ ازیں ایجوکیشنل کانفرنس بریلی اور انجمن اسلامیہ روہیل کھنڈ کے نائب صدر رہے۔ یتیم خانہ اسلامیہ کے گورنر، مسلم لیگ ضلع بریلی کے چیئرمین اور مدرسہ عالیہ عربیہ مصباح العلوم کے صدر بھی رہے۔غرض متعدد عہدوں پر فائز رہے چونکہ سرکاری طور پر عہدۂ قضا پر فائز تھے اس لئے انگریزوں کے دربار میں بھی شریک ہونا ہوتا تھا، جسے وہ ناپسند کرتے تھے۔ان کے نام علامہ شبلی کے خط سے واضح ہے کہ دونوں کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ تھا،مگر نہ ان کے خطوط ملے اور نہ تعلقات ہی کا صحیح اندازہ ہوسکا۔ان کے نام علامہ شبلی کا ایک خط مولوی لطیف احمد نے اپنی کتاب ''مکتوبات مشاہیر'' مطبوعہ الہ آباد میں شامل کیا ہے۔

نواب سید علی حسن خاں

[۱۸۶۶-۱۹۳۶ء]

صفی الدولہ، حسام الملک، شمس العلما نواب سید محمد علی حسن خاں نواب سید صدیق حسن خاں کے صاحبزادے تھے۔انہیں عربی وفارسی زبان پر بڑا عبور حاصل تھا۔اردو کے پختہ مشق اہل قلم اور مصنف تھے۔شعری ذوق بھی بڑا پختہ تھا۔انتخاب اشعار پر مشتمل ان کی کئی بیاضیں تھیں۔

۱۶/اگست ۱۸۶۶ء [۴/ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ] کو شہر بھوپال میں پیدا ہوئے۔وہیں شہزادوں کی طرح تعلیم وتربیت پائی۔بڑے بڑے علماء کی صحبت میں رہے۔اس کے بعد ریاست بھوپال کے محکمہ تعلیمات کے ڈائرکٹر ہوئے۔

شعروادب بالخصوص فارسی شاعری کا بڑا ستھرا مذاق رکھتے تھے۔فارسی کے سیکڑوں مشہور اشعار ازبر تھے۔اردو وفارسی میں داد سخن دیتے تھے۔طاؔہر ان کا تخلص تھا۔ان کا فارسی کلام پسند کیا

جاتا تھا۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں بھی ان کی چند فارسی غزلیں شایع ہوئی ہیں۔ دو اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

خودرا نہ پرستیدہ عرفان چہ شناسی
کافر نشناسی لذت ایمان چہ شناسی

یک جرعہ زسرچشمہ فطرت نہ چشیدی
گوہر شدن قطرہ نیساں چہ شناسی

نواب سید محمد علی حسن خاں اردو کے ایک پختہ مشق اہل قلم اور مصنف تھے۔ ان کے قلم سے کئی کتابیں نکلیں۔ فطرۃ اسلام اور مآثر صدیقی ان کی بہترین یادگاریں ہیں۔ مآثر صدیقی تین حصوں پر مشتمل ہے۔ یہ تینوں حصے مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۹۲۴ء میں شایع ہوئے۔ اور راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔ بعض شعرا کے تذکرے بھی ان کے قلم سے شائع ہوئے۔ آخر میں وہ ''مردم دیدہ'' کے نام سے علم وادب کے ان اساطین اور باکمالوں کے حالات لکھ رہے تھے جن سے وہ ملے تھے۔ معلوم نہیں کہ وہ پایہ تکمیل تک پہنچی یا نہیں۔

نواب صاحب بڑے نیک دل، پاک طینت اور پاکباز شخص تھے۔ اخلاق و اخلاص کا مجسم پیکر تھے۔ علی گڑھ تحریک اور تحریک ندوہ میں شریک رہے۔ خاص طور پر تحریک ندوہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لکھنؤ کی بعض دیگر تحریکوں کے تعاون میں بھی سرفہرست رہے اور ان کی مالی خدمت بھی انجام دی۔

علامہ شبلی کے بے تکلف دوستوں بلکہ قدر دانوں میں تھے اور خاص طور سے ان کے فضل وکمال کے بڑے معترف و مداح تھے۔ لکھتے ہیں:

> ''علامہ ممدوح کی تالیف وتصنیف نے ارباب قلم کے لئے ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا اور اہل ہند میں تاریخی مذاق پیدا کر کے گویا ایک صلائے عام دیدی۔ اس لئے چند دنوں میں بہت سی سوانح عمریاں جمع و مرتب ہو کر مشتہر

ہوگئیں اور تھوڑے عرصہ میں ایک عظیم الشان ذخیرہ تاریخی واقعات اور اسلاف کے حالات کا فراہم ہوگیا۔''

(مآثر صدیقی، حصہ اول، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۲۴ء، حصہ اول ص ۵)

علامہ شبلی نعمانی سے ان کے تعلق کا آغاز ان کے رسالہ ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' اور ''المامون'' کی ۱۸۸۷ء میں اشاعت سے ہوا۔ ۱۸۹۱ء میں جب علامہ شبلی سرسید کے ساتھ حیدرآباد جارہے تھے انہوں نے بھوپال میں روک کر اپنا مہمان بنایا۔ یہ علامہ شبلی سے ان کی پہلی ملاقات تھی۔ نواب صاحب اس زمانہ میں بھوپال کے ڈائرکٹر تعلیمات تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں علامہ شبلی سے مشورے بھی کئے۔ اور پھر علامہ کو کئی بار بھوپال بلایا۔ ریاست بھوپال کے مدارس کی تنظیم نو کے لئے علامہ شبلی نے جو یادداشت لکھی ہے اس میں بھی ان کا عمل دخل تھا۔

علامہ شبلی جب ندوہ سے وابستہ ہوئے اور لکھنؤ میں قیام کیا۔ اس زمانہ میں نواب صاحب بھوپال سے مستعفی ہوکر لکھنؤ میں اپنی کوٹھی ''بھوپال ہاؤس'' میں مقیم تھے۔ نواب صاحب ملاقات کے لئے ندوہ آتے اور اکثر گاڑی بھیج کر علامہ شبلی کو اپنی کوٹھی پر بلواتے اور بڑی ضیافتیں کرتے۔ کئی بار انہوں نے نذرانے بھی پیش کرنے چاہے مگر غیور شبلی نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ نواب صاحب نے اپنا قیمتی کتب خانہ علامہ شبلی ہی کے کہنے پر ندوۃ العلما پر وقف کیا تھا۔

۱۹۰۷ء میں علامہ شبلی کے پاؤں کا حادثہ پیش آیا تو وہ مزاج پرسی کے لئے اعظم گڑھ تشریف لائے اور شبلی منزل میں قیام کیا۔ اسی موقع پر انہوں نے یہ قطعہ کہا تھا۔

شبلی! ترے قوم پر بہت احساں ہیں — باتیں تری درد قوم کی درماں ہیں
اک پاؤں اگر گیا تو کچھ رنج نہ کر — اس ایک قدم پہ لاکھ سر قرباں ہیں

۱۹۱۳ء میں جب علامہ شبلی نعمانی ندوہ سے مستعفی ہوئے تو انہوں نے بھی استعفا دیدیا تھا اور ندوہ کی اصلاح کے لئے برابر فکرمند رہے۔ بعد میں وہ ندوہ کے اعزازی ناظم بنائے گئے۔

علامہ شبلی کی وفات ۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء کے بعد انہوں نے تلامذہ شبلی سے بھی اخلاص ومحبت کا معاملہ مدۃ العمر قائم رکھا۔ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کے وہ رکن اساسی تھے۔ یہ تعلق انہوں نے

آخری سانس تک نبھایا۔

علامہ شبلی کی زندگی میں ان کی قومی وملی اور تاریخی اردو نظمیں شایع کرنے کی غرض سے یکجا کی تھیں مگر علامہ شبلی نے اسے پسند نہیں کیا اس لئے وہ شایع نہ ہوسکیں۔ ۱۹/نومبر ۱۹۳۶ء کو علم وادب کے اس شیدائی نے انتقال کیا۔

ان کے نام علامہ شبلی کے ۱۴/خطوط مکاتیب شبلی حصہ دوم میں اور ۵/خطوط مکتوبات شبلی میں شامل ہیں۔ ان ۱۹/خطوط میں زیادہ تر قومی وملی اداروں ندوہ، علی گڑھ اور مسلمانوں کے مسائل کا ذکر اور ان کے لئے فکرمندی ہے۔

حکیم محمد اجمل خاں

[۱۸۶۵-۱۹۲۷ء]

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں شیدا ملک وملت کے عظیم رہنماؤں میں تھے۔ ان کا تعلق دہلی کے قدیم اطباء کے خانوادے سے تھا۔ اپنے خانوادے کے طبیہ اسکول کو ترقی دے کر انہوں نے طبیہ کالج بنایا۔ دواسازی کے لئے ہندوستانی دواخانہ قائم کیا۔ وہ خود ایک بڑے حاذق طبیب تھے۔

ان کا شمار جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ جامعہ کو علی گڑھ سے دہلی انہی نے منتقل کیا۔ وہ اس کے چانسلر بھی رہے۔

حکیم محمد اجمل خاں نے ملی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رولٹ بل کے خلاف دہلی میں جو زبردست مظاہرہ ہوا تھا اس کی قیادت انہی نے کی تھی۔ انہوں نے مسلم لیگ کے ۱۹۱۹ء کے اجلاس امرتسر کی صدارت بھی کی۔ تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کی تحریکوں میں بھی وہ شامل رہے۔ علامہ شبلی کی طرح ہندومسلم اتحاد کے وہ بھی ایک بڑے حامی تھے۔

علامہ شبلی کے ان سے گہرے مراسم تھے۔ علامہ شبلی دہلی جاتے تو اپنے احباب کے

یہاں قیام کرتے تھے۔ایک سفر میں ان کے یہاں قیام کا بھی ذکر ملتا ہے۔ندوہ کے ذمہ داروں میں جب اختلافات بہت بڑھ گئے تو صلح کے لئے جو ہمدردان ملت آگے آئے ان میں ایک اہم نام حکیم محمد اجمل خاں شیدؔا کا بھی ہے۔صلح کی ایک میٹنگ ان کے دولت کدے پر ہوئی تھی ،جس میں انہوں اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود پوری دلچسپی لی اور اسے کامیاب بنایا۔

ان سے علامہ شبلی کی خط وکتابت بھی تھی۔ان کے نام علامہ شبلی کا محض ایک خط دستیاب ہے جو''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہے۔(۱)ان کی وفات پر مولانا سید سلیمان ندوی نے وفیات لکھتے ہوئے یہ شعر بھی لکھا تھا۔

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
ملک کا جو چراغ تھا نہ رہا

حال میں ان کے ہندوستانی دواخانہ جو دہلی میں انہوں ادویات کی تیاری کے لئے قائم کیا تھا،اس کی ایک روداد ہاتھ آئی تو معلوم ہوا کہ علامہ شبلی نے اس کی اہمیت اور افادیت کی داد دی ہے۔(۲)اس سے بھی دونوں کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

حوالے

(۱) مکتوبات شبلی ص ۱۰۵

(۲) ہندوستانی دواخانہ دہلی ص ۲۳۴

قاضی سراج الدین احمد

[۱۸۶۶-۱۹۲۵ء]

قاضی سراج الدین احمد ابن قاضی کریم الدین بار ایٹ لا،ایڈیٹر ہفتہ روزہ سرمور گزٹ ناہن راجستھان ،سرسید احمد خاں [۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] کے دوست اور تحریک علی گڑھ کے خاص لوگوں میں تھے۔وہ راولپنڈی میں مختلف عہدوں پر فائز رہے اور متعدد اہم علمی وصحافتی کام انجام

دئے۔راول پنڈی مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔انجمن اسلامیہ راولپنڈی کے سکریٹری اور راجہ ریاست پونچھ اور چیف جج پونچھ کے پی اے بھی رہے۔۱۹۰۷ء میں کچھ دنوں تک وکالت بھی کی۔اسلامیہ ہائی اسکول راولپنڈی کے بانی بھی وہی ہیں۔وہ ایک مصنف،صحافی اور قانون داں کی حیثیت سے اپنے عہد میں ممتاز تھے۔حیات سلطان صلاح الدین [م:۱۸۹۷]،جنگ ترکی و یونان۔تعلیم [م:۱۸۹۲ء]،تہذیب،فصاحت [م:۱۹۰۹ء]،فضیلت،حقیقت خلافت [طبع دوم ۱۹۲۰ء]،سرسید احمد خاں کے لکچرز کا مجموعہ مع سوانح عمری [م:۱۸۹۰ء] داستان پاستاں اور سیرۃ الفاروق [م:۱۸۹۳ء] وغیرہ ان کی تصنیفات وتالیفات اور کتب ورسائل ہیں۔انہوں نے کئی اخبارات ورسائل مثلاً ہفتہ وار سرمور گزٹ ناہن [۱۸۹۱تا۱۸۹۳ء] ہفتہ وار چودھویں صدی راولپنڈی [۱۸۹۹ء] اور پندرہ روزہ محمڈن نیشنل میگزین سیال کوٹ [۱۸۹۳ء] کی مختلف وقتوں میں ادارت کے فرائض انجام دئے اور اپنی محنت وصلاحیت سے انہیں مقبول عام بنایا۔

۱۸۹۳ء میں قاضی صاحب نے علامہ شبلی کی تصنیف ''الفاروق'' پر سبقت کی غرض سے بعجلت تمام ''سیرۃ الفاروق'' لکھ کر شائع کی۔اس سبقت کو علاوہ اور لوگوں کے خود سرسید احمد خاں نے بھی ناپسندیدہ فعل قرار دیا اور اس کے خلاف اپنے اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ایک تحریر شائع کی۔

محمڈن نیشنل میگزین سیال کوٹ میں جس کے قاضی سراج الدین صاحب مدیر تھے اپنے ایک وسیع علمی اور تصنیفی منصوبے کا اعلان شائع کیا۔ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اہل علم بالخصوص ہندوستان کے مشاہیر کا تذکرہ قلم بند کیا جائے۔اس کے لئے انہوں نے علامہ شبلی سے مشورہ کیا، چنانچہ انہوں نے نہ صرف مفید مشورے دئے بلکہ مشاہیر اہل علم اور ارباب کمال کی ایک فہرست بھی تیار کر دی،مگر اس وقت بوجوہ اس کام کا آغاز نہ ہوسکا۔

اگست ۱۸۹۳ء میں قاضی سراج الدین نے دوبارہ اس کام کا تہیہ کیا اور پرعزم ہوکر اہل علم اور بزرگوں سے ملاقات کی،لیکن اس بات سے مایوس ہوئے کہ جن بزرگوں کے نام قاضی صاحب کی فہرست میں شامل تھے انہوں نے ان کا جیسا چاہئے تعاون نہیں کیا۔اس سلسلہ میں

انہوں نے نواب محسن الملک [۱۸۳۷-۱۹۰۷ء] کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہی معاملہ محسن قوم سرسید احمد خاں کا بھی تھا۔

دراصل بات یہ تھی کہ اس عہد میں اپنے بارے میں کچھ لکھنا لکھانا معیوب خیال کیا جاتا تھا۔اس وقت کیا آج بھی سنجیدہ اشخاص اور اہل علم اسے ناپسند کرتے ہیں۔ اس بار پھر قاضی سراج الدین احمد نے علامہ شبلیؒ سے خط و کتابت کی۔

قاضی سراج الدین احمد کا یہ علمی اور تصنیفی منصوبہ غالباً منصوبہ ہی رہ گیا اور پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ہمیں نہیں معلوم کہ آیا وہ یہ تذکرہ لکھنے میں کامیاب ہوئے یا نہیں لیکن ان کی جن چند تصانیف اور کتب ورسائل کا ذکر ملتا ہے، ان میں کسی ایسے تذکرے کا نام شامل نہیں ہے۔

قاضی صاحب نے ۲۵/جولائی ۱۹۲۵ءکوراولپنڈی میں وفات پائی۔

ان کے نام علامہ شبلی کے دوخطوط ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہیں اور دونوں میں سلسلہ مشاہیر ادب اردو کی تدوین ہی کا ذکر ہے اور علامہ شبلی نے اس بات پر تاسف کا اظہار کیا ہے کہ آپ نے اساطین علم وادب میں متعدد مشاہیر مثلاً محمد حسین آزاد وغیرہ کا نام چھوڑ دیا ہے۔ان کے علاوہ قاضی سراج الدین کے نام کے کسی خط کا سراغ نہیں لگا۔البتہ قاضی صاحب نے اپنی بعض تحریروں میں علامہ کا ذکر کیا ہے۔

سید عبدالسلام فاروقی

[•••]

مولوی سید عبدالسلام، مالک مطبع فاروقی، دہلی کے ممتاز اہل حدیث عالم تھے۔علامہ شبلی نعمانی سے مراسم تھے۔صاحب تفسیر حقانی مولوی عبدالحق حقانی کے فتنہ تکفیر شبلی کے زمانہ میں انہوں نے ایک خط لکھ کر علامہ شبلی سے ان کے عقائد دریافت کئے تھے۔ان کے نام علامہ شبلی کا یہ واحد خط ہے۔اور مکتوبات شبلی میں شامل ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کے عقائد پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے اس خط میں انہی کو سوال نامہ شکل میں لکھ کر اس کے جوابات طلب کئے گئے تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی نے صاف صاف اس کا جواب دیا۔

علامہ شبلی کے اس جواب کو بنیاد بنا کر مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی نے ایک فتویٰ مرتب کیا تھا۔ اس کا عنوان ''علامہ شبلی کا فتویٰ خود اپنے الحاد و زندقہ پر'' تھا۔ اور جو اسی نام سے دہلی سے شائع ہوا ہے۔ وہ راقم کی نظر سے گذرا ہے۔ مگر بعد میں مفتی صاحب کی رائے بدل گئی تھی جیسا کہ ان کے مجموعہ فتاویٰ کفایت المفتی سے ظاہر ہوتا ہے۔

زہرا بیگم

[۱۸۶۸-۱۹۴۰ء]

زہرا بیگم فیضی ترکی میں ہندوستان کے ایک بڑے کامیاب تاجر حسن علی آفندی [۱۸۳۸ء - ۱۹۰۳ء] کی بڑی بیٹی اور عطیہ فیضی [۱۸۷۷-۱۹۶۷ء] کی بڑی بہن تھیں۔ دونوں بمبئی میں ساتھ ہی رہتی تھیں۔ زہرا بیگم ۱۸۶۸ء میں ترکی میں پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی قمرالدین طیب جی [۱۸۳۶-۱۸۸۹ء] کے فرزند حیدر طیب جی سے ہوئی تھی مگر کسی وجہ سے طلاق ہو گئی۔ پھر زہرا بیگم نے دوسرا نکاح نہیں کیا اور تجرد کی زندگی گذاری۔

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت آطہ ترکی میں ہوئی، مگر تعلیم کہاں تک ہوئی اور کون سی اسناد ان کے پاس تھیں، اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

زہرا بیگم بڑی باذوق، اہل قلم اور مضمون نگار خاتون تھیں۔ اردو کے ساتھ فارسی سے بھی شغف تھا۔ ''خطوط شبلی''، مرتبہ منشی محمد امین زبیری [۱۸۷۰-۱۹۵۸ء] سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی کا فارسی کلام سمجھ لیتی تھیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں فارسی زبان پر کس درجہ عبور حاصل رہا ہوگا۔ انہوں نے بعض کتابیں بھی لکھیں یا مرتب کیں۔ اپنے عہد کے رسائل

بالخصوص خواتین کے رسائل کی مستقل مضمون نگار بھی تھیں۔ ماہنامہ تہذیب نسواں لاہور، ماہنامہ ظل السلطان بھوپال، ماہنامہ الناظر لکھنو اور ماہنامہ خاتون علی گڑھ میں بھی ان کی تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں ان کے بعض مضامین میری نظر سے گذرے ہیں۔ مضامین کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا ہے، مگر اب وہ کہیں دستیاب نہیں ہے۔

عطیہ بیگم فیضی [۱۸۷۷-۱۹۶۷ء] کی طرح ان کی بھی علامہ شبلی سے خط کتابت رہی بلکہ ''خطوط شبلی'' میں عطیہ فیضی سے زیادہ خطوط زہرا بیگم کے نام ہیں۔ اوران خطوط میں تنوع بھی نسبتاً زیادہ ہے۔ علامہ شبلی کی بڑی مداح اور قدرداں تھیں۔ وہ جب بمبئی آتے تو ان کی دعوت کرتیں۔ حتیٰ کہ ان کا پرہیزی کھانا تیار کراتیں۔ علامہ شبلی نے ان کی والدہ امیر النساء امیرا کا جو مرثیہ لکھا ہے وہ انہی کی جانب سے لکھا ہے۔ اپنی زبان سے دوسروں کے غم کی غمازی کچھ آسان نہیں۔ اس مرثیہ کے شروع کے دو اور آخر کا ایک شعر بطور نمونہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بود بست و ششم و سیزدہ صد از ہجرت
کہ بزد نقش دگر بخت ستم گارہ ما

مہرباں مادر ما سایہ زما باز گرفت
آں ہمایوں نفس ، آں مونس و غم خوارہ ما

شبلی ایں مرثیہ گفتم ز زبان زہرا
آں کہ صد لطف عیاں داشتہ دربارہ ما (۱)

زہرا بیگم کے نام علامہ شبلی کے خطوط میں ان کے کئی فارسی قطعات اور بعض اردو غزلیں بھی شامل ہیں۔ ''کلیات شبلی فارسی'' کی تدوین کے وقت یہ کلام غالباً ہاتھ نہیں آیا تھا، اس وجہ سے اس میں شامل نہیں ہوسکا۔ حالانکہ وہ اس لائق ہے کہ اہتمام سے اسے شامل کیا جائے بلکہ اب تو بہر حال یہ ضروری ہے کہ کلیات شبلی کا نیا ایڈیشن بغیر ان کی شمولیت کے شائع نہ کیا جائے۔

خوف طوالت کی بنا پر نمونہ کے اشعار قلم انداز کیئے جاتے ہیں۔

زہرا بیگم نے ۲۳ دسمبر ۱۹۴۰ء کو بمبئ میں انتقال کیا۔ چونکہ ان کا خاندان سلیمانی بوہرہ تھا اس لئے بوہروں کے قبرستان گرگام میں مدفون ہوئیں۔ عطیہ فیضی، نازلی بیگم اور فیضی ہجرت کر کے کراچی میں آباد ہوئے تھے۔ ان کی قبریں بھی وہیں ہیں۔

حوالے

(۱) کلیات شبلی فارسی ص:۴۴

نوبت رائے نظرؔ

[۱۸۶۶-۱۹۲۳ء]

اردو کے نامور ادیب وشاعر منشی نوبت رائے نظرؔ اور ان کے مشہور رسالہ ماہنامہ ''ادیب'' الہ آباد سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں۔ ماہنامہ ادیب کی بڑی اہم ادبی خدمات ہیں۔ اس کے مشمولات پر علامہ شبلی نے نوبت رائے نظرؔ کو ایک خط لکھا تھا، چونکہ یہ خط علم وادب کی ترقی سے متعلق تھا اس لئے انہوں نے اس کا ایک اقتباس ماہنامہ ادیب میں شائع کر دیا تھا، جو درج ذیل ہے:

''ادیب کے حسن ظاہری میں کیا شک اور حسن معنوی میں بھی اردو کے کسی رسالہ سے کم نہیں۔ یا یوں کہئے کہ کوئی رسالہ اس سے بڑھ کر نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اب ایک محدود دائرہ سے قدم آگے بڑھانا چاہئے۔ اب تک جو کچھ ہورہا ہے یا اپنی داستانیں ہیں یا یورپ کی نہایت سرسری معلومات۔ اس سے زبان کی ترقی کا قدم آگے نہیں بڑھتا۔ کوشش کی جائے کہ ہربرٹ اسپنسر اور ہکسلے وغیرہ کا فلسفہ اردو زبان میں آئے۔ انگریزی سے اردو میں جو کچھ منتقل ہو رہا ہے اوچھے اور ادنیٰ درجہ کے معلومات ہیں۔ ان کو کہاں تک بار بار

پڑھئے۔ یوروپین معلومات کے لحاظ سے آج سے دس برس پہلے ہم لوگ جہاں
تھے اب بھی وہیں ہیں۔'' (ماہنامہ ادیب الہ آباد، اگست ۱۹۱۰ء ص ۹۷)

ان کے نام علامہ شبلی کا یہ خط مکتوبات شبلی میں شامل ہے۔ اس خط سے اردو کے متعلق ان کی فکر مندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

[۱۸۶۴-۱۹۵۰ء]

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی رئیس حبیب گنج علی گڑھ، عالم، فاضل، ادیب، شاعر اور ممتاز مصنف تھے۔ دسیوں اہم کتابیں ان کے قلم سے نکل کر مقبول ہوئیں۔ ان کے علمی وادبی مقالات کا ایک نہایت شاندار مجموعہ ''مقالات شروانی'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ وہ فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ فارسی کلام ''کاروان حسرت'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ریاست حیدرآباد میں برسوں وزیر محکمہ امور مذہبی رہے۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے پہلے وائس چانسلر ہونے کا فخر انہیں کو ملا۔ تحریک ندوہ میں پیش پیش رہے اور اس کی بڑی خدمات انجام دیں۔ علامہ شبلی کو ان سے بے پناہ تعلق تھا اور خود ہی انہیں ''حبیب شبلی'' کا خطاب دیا۔

شبلی و شروانی کی خط و کتابت کا دورانیہ قابل ذکر ہے۔ علامہ کا جو پہلا خط مولانا شروانی صاحب کے نام دستیاب ہے وہ ۸؍فروری ۱۸۹۹ء کا ہے اور آخری خط ستمبر ۱۹۱۴ء کا ہے۔ گویا ۱۶؍برس خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا۔ ان کے نام مکاتیب کی تعداد ایک سو چونسٹھ [۱۶۴] ہے۔ ''مکاتیب شبلی'' حصہ اول مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی میں ۱۱۸؍خطوط شامل ہیں۔ ۴۶؍خطوط اس کے بعد دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں ۱۹؍خطوط ''شبلی بنام شروانی'' سے لئے گئے ہیں جو حال میں شائع ہوئی ہے اور جس کے مرتب ہمارے فاضل دوست مولانا فیصل احمد بھٹکلی ہیں۔

اب تک کی تحقیق کے مطابق سب سے زیادہ خطوط شبلی مولانا شروانی ہی کے نام

دریافت ہوئے ہیں۔ دونوں کے درمیان علی گڑھ میں مراسم قائم ہوئے جو آخری سانس تک قائم رہے۔ اس لئے سب سے زیادہ تنوع انہی کے نام کے خطوط میں ہے۔ علی گڑھ اور حیدرآباد کی ملازمتیں، ندوہ، انجمن ترقی اردو، تصنیفات وتالیفات، تحریکات مثلاً وقف علی الاولاد، تعطیل جمعہ، خدام الدین اور دارالمصنّفین وغیرہ تمام کا ذکر ان میں موجود ہے۔

اختلافات ندوہ کا ذکر بھی سب سے زیادہ انہی کے نام کے خطوط میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نام کے خطوط پہلے مکاتیب شبلی میں شائع ہوئے تو وہ نامکمل تھے۔ پھر پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی نے معارف میں شائع کرائے وہ بھی نامکمل تھے۔ آخر میں غیر مطبوعہ خطوط جو مولانا فیصل احمد بھٹکلی ندوی نے اپنی کتاب ''شبلی بنام شروانی'' میں شائع کئے تب جا کر مولانا شروانی کے نام کے علامہ شبلی کے خطوط مکمل طور پر سامنے آئے۔ اب بھی ممکن ہے کہ اور کتابوں میں بھی غیر مدون خطوط مل جائیں۔

شروانی صاحب کے نام ایک خط میں ادبی گفتگو ملاحظہ ہو:

''غزل دیکھی، بعض شعر بہت اچھے ہیں، مثلاً چوں آشنا نگہے کرد، الخ جو الفاظ بے کار اور بھدے ہیں ان پر خط کھینچ دیا ہے۔ ''ضیائے شمع ترا شب چراغ ویرانہ''، محض شمع ہونا چاہئے اور ضرورت ہی ہو تو ضیاء کے بجائے فروغ ہونا چاہئے۔ دیدہ مخمور کے بجائے نرگس مخمور ہونا چاہئے۔ انداز ناز جانانہ، یاد نہیں کہ انداز کے جو معنی اردو میں ہیں فارسی میں بھی آئے ہیں۔ ''بہ قلب خویش'' قلب کا لفظ بہت بھدا ہے۔ بہ وصف لشکری ''ی'' بالکل ناجائز ہے۔ محض لشکر کہتے، عروض کی رو سے بھی جائز ہے۔''(۱)

انہیں کے نام ایک خط میں ندوہ کی مجلس انتظامیہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب کی متعصب مولویوں سے پالی لڑنی پڑی۔ جلسہ انتظامیہ میں نائب سکریٹری ندوہ نے جو اپنے آپ کو سکریٹری کہتے اور لکھتے ہیں، تجویز پیش کی کہ شبلی الگ کر دیا جائے یعنی اس کا عہدہ ہی توڑ ڈالا جائے۔ یاران

قدیم علی گڑھ نے طعنہ دیا کہ اور مولویوں میں گھسو۔ میں نے کہا میں نے یہ سمجھ کر میدان میں قدم رکھا تھا۔ بہرحال یہ لوگ نہ ہوتے تو ندوہ کی حاجت ہی کیا تھی۔ یہ لوگ میرے دعوے کے لئے بیان تحریری ہیں۔'' (۲)

شروانی صاحب کے نام ایک اور خط کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک ہمارے روشن خیال شروانی ہیں جن کو میں اپنا امام کہتا ہوں۔ ان کا یہ حال ہے کہ انگریزی کے نام سے ان کو لرزہ آتا ہے۔ بڑی مشکل سے مسلمانوں کے پھسلانے کی تجویز پر راضی ہوئے تو عمل درآمد میں حیران ہیں، حالانکہ تمام طالب علموں کو انگریزی پڑھانا مقصود نہیں، نہ میرا یہ خیال ہے، صرف اس قدر مقصود ہے کہ دو چار لڑکے انگریزی بھی پڑھیں۔اتنی ذرا سی بات ان کے نزدیک اتنی عظیم الشان ہے جس قدر محسن الملک کی فرضی یونیورسٹی......ان ہمتوں پر کوئی کیا کمر باندھے۔'' (۳)

حواشی

(۱) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۱۲۵

(۲) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۲۲۲

(۳) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۱۲۶

مولوی وحید الدین سلیم

[۱۸۶۷-۱۹۲۸ء]

مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی نے روایتی اور جدید دونوں سے فیض یاب ہوئے تھے۔ وہ اپنے عہد کے نامور اہل قلم، ادیب، صحافی اور مصنف تھے۔

مولوی وحید الدین سلیم پانی پت کے رہنے والے تھے۔ اور ۱۸۶۷ء میں وہیں پیدا

ہوئے۔ پانی پت میں ابتدائی تعلیم کے بعد میونسپل بورڈ کے اسکول میں داخل ہوئے اور ۱۸۸۲ء کے امتحان میں پورے پنجاب میں اول آئے۔ پھر اورینٹل کالج لاہور میں داخل ہوئے اور مولانا فیض الحسن سہارن پوری اور مفتی عبداللہ ٹونکی سے تحصیل علم کیا۔

اورینٹل کالج کی دورطالب علمی میں انہیں یہیں تحریر وتصنیف اور ترجمہ وتالیف کا شوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد مولانا الطاف حسین حالؔی کی محبت نے انہیں سرسید کی بارگاہ میں پہنچادیا۔ چنانچہ انہوں نے مولوی وحیدالدین سلیم کو اپنا لٹریری اسسٹنٹ مقرر کیا جس پر وہ سرسید کی آخری سانس تک فائز رہے۔

سرسید کی وفات کے بعد انہوں نے علی گڑھ سے اپنا رسالہ ماہنامہ معارف جاری کیا۔ ایک زمانہ میں میرولایت حسین کے ساتھ علامہ شبلی معارف جاری کرنا چاہتے تھے، مگر بوجوہ نہ جاری کرسکے تھے۔ مولوی وحیدالدین سلیؔم نے اسے بڑی آب تاب سے نکالا اور کئی ماہ تک وہ پابندی سے نکالتے رہے، تاہم زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور بند ہوگیا۔ اس کے بعد مولوی وحیدالدین سلیم علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے مدیر مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں تک اسے بھی بخوبی ایڈٹ کیا مگر پھر اس سے بھی کنارہ کش ہوکر گوشہ نشینی اختیار کرلی۔

۱۹۱۰ء میں علامہ شبلی کے مشورہ سے میرجان صاحب نے لکھنو سے اخبار مسلم گزٹ جاری کیا تو علامہ شبلی کے مشورہ سے انہوں نے مولوی وحیدالدین سلیم کو ''مسلم گزٹ'' کا ایڈیٹر منتخب کیا۔ مسلم گزٹ بڑی شان سے نکلا، مگر گورنمنٹ کے خلاف لکھنے کی وجہ سے ۱۹۱۶ء میں بند ہوگیا۔ پھر انہوں نے حیدرآباد کا رخ کیا اور جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو میں استاد ہوگئے اور اسی عہدہ پر انہیں ابدی نیند آئی۔ ان کا انتقال ملیح آباد میں ہوا۔ انالله وانااليه راجعون. (۱)

مولوی وحیدالدین سلیم پانی پتی قابل اور بڑے باصلاحیت شخص تھے۔ لکھنے پڑھنے کی یعنی تصنیف وتالیف کی بھرپور صلاحیت تھی اور خوب لکھتے تھے۔ بلکہ ان کا شمار اس عہد کے زود نویسوں میں ہوتا ہے۔ ان کی ایک کتاب ''وضع اصطلاحات علمیہ'' (۲) بے حد اہم بلکہ اپنے موضوع پر اردو میں اولین کتاب ہے۔ انہوں نے کثرت سے مضامین ومقالات لکھے جن کے کئی

مجموعے شائع ہوئے۔ان میں ’’افادات سلیم‘‘ اور ’’افکار سلیم‘‘ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔بلاشبہ یہ بڑے اہم اور قیمتی مقالات پر مشتمل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس مجموعہ کے متعدد ایڈیشن شائع ہوکر مقبول ہوئے۔

مولوی وحید الدین سلیم کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ وہ نئے الفاظ تراشتے تھے۔انہوں نے بہت سے نئے الفاظ تراشے اور انہیں رائج کرنے کی کوشش کی۔لفظ ’’نمائندہ‘‘ انہیں نے جدید فارسی سے لے کر اردو میں علی گڑھ گزٹ کے ذریعہ رائج کیا۔(۳)

مولوی وحید الدین سلیم علامہ شبلی کو نعمانی در پردہ پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ ان کے مخالف رہے۔مسلم گزٹ میں علامہ شبلی ہی نے انہیں مدیر مقرر کرایا تھا،تاہم یہ وقتاً فوقتاً ان کے خلاف بھی تحریریں اور مضامین و مراسلات شائع کردیتے۔بلکہ مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ آجاتا تو وار خالی نہیں جانے دیتے۔لوگوں کو اگرچہ ناگوار گذرتا،مگر علامہ شبلی نعمانی خاموش رہتے اور خاموشی کا مشورہ دیتے۔البتہ خود کبھی کبھی بعض باتوں کی واقعیت بیان کردیتے یا کوئی اخباری مراسلہ لکھ کر انہیں بھیج دیتے۔انہیں مراسلات کو پیش نظر رکھ کر ہم نے انہیں علامہ شبلی کے مکتوب الیہ میں انہیں شامل کیا ہے۔

مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی کے نام علامہ شبلی کا ایک مراسلہ جو ناچیز کی مرتبہ کتاب ’’مراسلات شبلی‘‘ مطبوعہ دار المصنّفین شبلی اکادمی اعظم گڑھ ۲۰۱۶ء میں شامل ہے۔

انہیں حکومت کے خلاف لکھنے کی پاداش میں ۲۴؍ گھنٹے کے اندر لکھنو چھوڑنے کا حکم صادر ہوا تھا۔اور انہیں چھوڑنا بھی پڑا۔

حواشی

(۱) افکار سلیم ص ۱۵،مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی،حالی اکیڈمی پانی پت،۱۹۳۸ء

(۲) انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،۱۹۳۱ء

(۲) ڈاکٹر محمد سہیل شفیق،وفیات معارف ص ۶۵۔قرطاس کراچی

میر محبوب علی خاں۔ نظام حیدرآباد

[۱۸۶۶-۱۹۱۱ء]

نواب میر محبوب علی خاں، نظام حیدرآباد ۱۸۶۹ میں حیدرآباد کے ساتویں نظام منتخب ہوئے۔ یہ اردو پر دل و جان سے فدا تھے۔ مستقل تاحیات دادِ سخن دیتے رہے۔ اردو کو حیدرآباد کی سرکاری زبان کا درجہ فارسی کو ہٹا کر انہیں نے دیا تھا۔ ان کا ذکر علامہ شبلی کے قلم سے ملاحظہ ہو جو انہوں نے ان کی موت پر لکھا تھا:

''حضور نظام تیموریوں کی شان وشوکت، دریا دلی وفیاضی، عفو و بردباری، عزم و استقلال کے مجسم تصویر پیکر تھے۔ تیموریوں کے بہت سے آداب و آئین جو ہم تاریخوں میں پڑھتے ہیں اور جن کی صحیح تصویر ہمارے ذہن میں نہیں آتی، حضور نظام کے آدابِ سلطنت اور نظامِ حکومت سے صاف سمجھ میں آجاتے تھے۔ حلم وعفو کا یہ حال تھا کہ جو لوگ بوجوہ خاص معتوب ہوتے اور الگ کئے جاتے تھے، ان کے بھی بیش قرار وظائف مقرر ہو جاتے تھے۔ تمام عمر میں ایک شخص کی بھی روزی بند نہیں کی۔ ہندوستان میں جس قدر اسلامی درسگاہیں ہیں سب ان کے دستِ کرم کی ممنون ہیں۔ ملک میں جس قدر مشاہیر اربابِ تصنیف ہیں سب انھیں کے خوانِ فیض سے بہرہ یاب ہیں۔ شہسواری، نشانہ بازی، قدراندازی، سپہ گری میں ان کا جواب نہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج وہی ایک ذات والا صفات تھی جو اربابِ فن کا مربی، علم وفضل کا پشت پناہ، مصنّفین کا کعبۂ آرزو، مظلوموں کا دادرس اور رعایا کا پدر مہربان تھا۔ اکبر کی بے تعصبی، جہاں گیر کی رنگین مزاجی، شاہ جہاں کی شوکت عالم گیر کے استقلال نے مل کر ایک قالب اختیار کر لیا تھا۔''

(ماہنامہ الندوہ ستمبر ۱۹۱۱ء، ص ۱)

میر محبوب عالم کے عہد نظامت میں علامہ شبلی سر رشتہ علوم وفنون کے ناظم مقرر ہوئے۔ اس کے لئے انہیں درخواستیں دینی پڑیں، مگر ہم نے مکتوب الیہ میں ان کا نام ان درخواستوں کی بنا پر شامل نہیں کیا ہے، بلکہ علامہ شبلی نے انہیں با قاعدہ خط لکھا ہے جو مکتوبات شبلی میں شامل ہے۔

مولوی محبوب عالم

[۱۸۶۲-۱۹۳۳ء]

مولوی محبوب عالم بانی مدیر روزنامہ پیسہ اخبار لاہور اردو کے پہلے اسلامی روزانہ اخبار کے بانی مدیر تھے۔ پیسہ اخبار نے بڑی مقبولیت پائی اور ایک عرصہ تک مسلمانوں کا مقبول اخبار رہا۔ یہ انگریزی عہد کا قصہ ہے، مگر ہم آزاد ہندوستان میں اپنا کوئی روزنامہ اخبار آج تک جاری نہیں کر سکے۔ بہر حال اس سے مولوی محبوب عالم اور ان کے روزنامہ اخبار پیسہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مولوی محبوب عالم ۱۸۶۲ء میں وزیر آباد ضلع گجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ برج اٹاری سے پرائمری تعلیم مکمل کی۔ قصور جا کر مڈل پورا کیا۔ اس میڈیکل کالج میں داخلہ لیا، مگر والد کے انتقال کے سبب تعلیم ادھوری چھوڑ دی اور گھر سنبھالنا پڑا۔ بعد ازاں منشی اور عالم منشی کے پرائیویٹ امتحانات پاس کئے۔ منشی کے امتحان میں صوبہ بھر میں اول آئے۔

اس کے بعد وہ صحافت سے وابستہ ہو گئے اور متعدد رسائل و جرائد نکالے اور مطابع قائم کئے۔ ۱۸۸۷ء میں فیروز والا سے ہفت روزہ ہمت جاری کیا۔ بعد میں اس کا نام پیسہ اخبار کر دیا اور اسے لاہور لے آئے۔ یہی ہفت روزہ ان کی شناخت بنا۔ حالانکہ انہوں نے کتابیں لکھیں اور سفر نامے بھی شائع کئے مگر ان کا نام پیسہ اخبار ہی سے آج تک زندہ ہے۔

علامہ شبلی نعمانی اور مولوی محبوب عالم میں تعلقات تھے۔ خط و کتابت بھی تھی۔ علامہ شبلی اخبار پیسہ میں خبریں اور مراسلات اشاعت کی غرض سے بھیجا کرتے تھے اور مولوی محبوب عالم

انہیں نمایاں طور پر شائع کرتے۔ خاص طور پر اخیر زمانہ میں جب قضیہ ندوہ شباب پر تھا اور ایک دوسرے کے خلاف مراسلے لکھے جا رہے تھے اور تہمتیں دھری جا رہی تھیں۔ اس دور میں علامہ شبلی نے ایک موقع پر مولوی محبوب عالم کو ٹوکا کہ آپ بغیر تحقیق کے کوئی تحریر نہ شائع کریں۔ علامہ شبلی سے متعلق جو تحریریں پیسہ اخبار میں چھپی ہیں یہاں ان کی فہرست درج کی جاتی ہے۔ پروفیسر احمد سعید نے ''روزنامہ پیسہ اخبار اور تحریک آزادی'' کے عنوان سے ایک بڑی شاندار کتاب مرتب کی ہے۔ یہ فہرست اسی سے نقل کی گئی ہے۔

۱۔ وقف علی الاولاد اور اس کی کارروائی کہاں تک پہنچی۔ مراسلہ، ۱۷/اکتوبر ۱۹۰۹ء ص ۳

۲۔ سالانہ جلسہ ندوہ میں کیا ہوگا اور کیا ہونا چاہئے، مراسلہ ۲۵/فروری ۱۹۱۰ء ص ۴

۳۔ ضرورت زمانہ، لکچر بمقام شملہ: ۲۴/جولائی ۱۹۱۱ء ص ۳۔ ۲۶/جولائی ۱۹۱۱ء ص ۳

۴۔ قربانی کی قیمت چندہ میں دینے کے جواز میں فتویٰ۔ اداریہ ۱۲/۱۹۱۲ء، ص ۲

۵۔ کیا واقعی مولوی شبلی صاحب نے یہ اسٹرائک کروائی ہے؟، اداریہ ۱۵/اپریل ۱۹۱۴ء ص ۲

۶۔ کیا مولانا شبلی ندوہ کے وظائف بند کرانے میں کوشاں ہیں، اداریہ ۱۶/اپریل ۱۹۱۴ء ص ۲

۷۔ مولانا شبلی کی حرکات مذبوحی اور دہلی میں ایک خانہ ساز عظیم الشان جلسہ کی تحریک مراسلہ، راقم ہمدرد ندوۃ العلماء ۱۶/اپریل ۱۹۱۴ء، ص ۳

۸۔ مولانا شبلی صاحب کا جواب کے متعلق ۲۳/اپریل ۱۹۱۴ء، ص ۴

۹۔ ان الزامات کی فہرست جو مولانا شبلی والوں کی طرف سے مولوی خلیل الرحمٰن پر لگائے گئے، کرزن گزٹ سے ماخوذ، ۵/مئی ۱۹۱۴ء، ص ۵

۱۰۔ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کی نسبت علامہ شبلی کی رائے، ۱۱/اپریل ۱۹۱۴ء، ص ۳

۱۱۔ مولوی شبلی صاحب متکلم مدرس دارالعلوم ندوہ کی تعجب انگیز افتراء پردازی اور شمس العلماء عبداللہ صاحب کی بریت، مراسلہ محمد حسین، محرر انجمن تنشار العلما ۱۲/مئی ۱۹۱۴ء ص ۴-۵

۱۲۔ البشیر اور مولانا شبلی، مراسلہ راقم عبدالسلام ندوی ۱۶/مئی ۱۹۱۴ء، ص ۳

۱۳۔ مولوی شبلی صاحب کی شکایت، مراسلہ۔۱۳؍اگست۱۹۱۴ء،ص۴

۱۴۔ علامہ شبلی کا انتقال۔اداریہ،۱۹۱۴/۲۱ء،ص۲

۱۵۔ جلسہ تعزیت انتقال شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی، اسلامیہ ہائی اسکول راولپنڈی رپورٹ ۵؍دسمبر۱۹۱۴ء،ص۳

۱۶۔ جلسہ تعزیت مولانا شبلی لکھنو میں، ۳۱؍دسمبر۱۹۱۴ء،ص۵

۱۷۔ خواجہ حالی اور مولانا شبلی کی یادگاریں۔اداریہ۱۵؍جنوری۱۹۱۵ء،ص۲(۱)

مولوی محبوب عالم صاحب اردو کے ایک انتہائی لائق صحافی ہی نہ تھے بلکہ ان کا شمار اردو کے ممتاز مصنّفین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں اور بعض ترجمہ کیں۔ ان کی پہلی کتاب 'جیمس واٹ کی سرگذشت' شائع ہوئی۔انہیں سفرناموں سے بڑی دلچسپی تھی۔ چنانچہ یورپ کا سفر کیا تو ایک بڑا قیمتی سفرنامہ ان کے قلم سے ''سفرنامہ یورپ'' کے نام سے ۱۹۰۸ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ پروفیسر ویمبری جو وسط ایشیا کے مشہور یوروپین سیاح تھے۔مولوی محبوب عالم نے ان کے سفرنامہ ''خیوا، بخارا، ایران وکردستان'' کا اردو میں ترجمہ کیا جو لاہور سے شائع ہوا ہے۔اس پر سنہ اشاعت درج نہیں۔

۱۹۱۴ء میں مولوی محبوب عالم صاحب سفر پر تھے، ان کے کارخانہ پیسہ اخبار میں آگ لگ گئی، جس سے ان کا بڑا نقصان ہوا۔کارخانہ کے ساتھ متعدد قیمتی کتابیں بھی جل کر خاک ہوگئیں۔ایک اندازہ کے مطابق ۳؍لاکھ روپئے کا نقصان ہوا۔اس کے باوجود اخبار پیسہ ایک دن بھی بند نہیں ہوا۔اس تکلیف دہ سانحہ پر بہت سے اہل علم اور ادبا و شعرا نے ان کو تعزیتی خطوط لکھے۔ان میں ایک خط علامہ شبلی کا بھی شامل ہے۔راقم نے اس خط اور پیسہ اخبار میں چھپے ایک مراسلہ کو ''مکتوبات شبلی'' میں شامل کیا ہے۔ان دونوں خطوط سے دونوں بزرگوں کے درمیان ربط و تعلق کم اور اختلافات ندوہ کی زیادہ صراحت ہوتی ہے۔

حوالے

(۱) روزنامہ پیسہ اخبار اور تحریک آزادی، ص۳۲۹

سر سید علی امام

[۱۸۶۹-۱۹۳۲ء]

سر علی امام ایک بڑے ماہر قانون داں اور بیرسٹر تھے۔ پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ انگلینڈ میں تعلیم حاصل کی۔ حیدر آباد دکن میں وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۹۰۸ء میں مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ اسرار خودی علامہ اقبال نے انہیں کے نام معنون کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس پایہ کے شخص تھے۔

علامہ شبلی نے تحریک وقف علی الاولاد میں سر سید علی امام کو بھی شامل کرنا چاہا اور ان سے خط و کتابت کی۔ چنانچہ انھوں نے بھی بڑی دلچسپی لی اور علامہ شبلی کو یقین دہانی کرائی کہ

''ضرور اس امر وقف میں ہم مسلمانوں کو پوری اور کامل کوشش کرنی چاہئے کہ فیصلہ پریوی کونسل خلاف قانون اسلام قرار دیا جائے۔ میں مشورہ اور کسی قدر چندہ سے بھی خدمت کرسکتا ہوں''۔

سید علی امام

فروری ۱۹۰۸ء(۱)

پریوی کونسل وقف علی الاولاد کو سرے سے وقف ہی تسلیم نہیں کرتی تھی چونکہ سر سید علی امام پریوی کونسل کے فیصلہ کے خلاف ملک گیر تحریک برپا کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے چند دنوں بعد دوبارہ انھوں نے علامہ شبلی سے رابطہ قائم کیا اور لکھا کہ

''ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ تمام ہندوستان میں مجالس کریں، عرض داشت تیار کریں اور حضور وائسرائے کے اور ان کی کونسل کے حاضر ہوں اور نیز سکریٹری آف اسٹیٹ تک سلسلہ جنبانی کریں تاکہ قانون بدلا جائے۔

سید علی امام

۲۲ر فروری ۱۹۰۸ء(۲)

حوالے

(۱) رپورٹ کارروائی انجمن وقف علی الاولاد ص۳

(۲) ایضاً

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ

[۱۸۶۹-۱۹۲۳ء]

نامور عالم ومصنف اور ندوۃ العلما کے سابق ناظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے والد گرامی مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ علامہ شبلی کے ہم عصر اور ندوۃ العلما کے ناظم رہے۔ پایہ کے عالم ومورخ تھے۔ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی، مولانا فتح محمد اور مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے متعدد کتابیں الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، نزہۃ الخواطر، یاد ایام اور گل رعنا وغیرہ لکھیں۔(۱) ۱۹۱۵ء میں ندوہ کے ناظم منتخب ہوئے اور اپنی وفات ۲رفروری ۱۹۲۳ء تک اس عہدہ پر فائز رہے اور بڑی خدمات انجام دیں، بلکہ ان کے خانوادے نے دین وملت اور خاص طور پر ندوہ کی بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ حکیم سید عبدالحی حسنی کے بعد ان کے بڑے بیٹے ڈاکٹر عبدالعلی، ان کے بعد مولانا علی میاں اور پھر ان کے بعد مولانا سید محمد رابع حسنی، ندوہ کے ناظم مقرر ہوتے رہے۔ الحمدللہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ آج بھی یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

چونکہ علامہ شبلی شروع سے تحریک ندوہ کے ایک فعال اور سرگرم رکن رہے اور بعد میں معتمد تعلیم منتخب ہوئے اس لئے ان کا اور مولانا سید عبدالحی کا برسوں کا مسلسل ساتھ رہا۔ ابتدا میں تعلقات اچھے رہے۔ البتہ بعد میں ندوہ میں دو دھڑے ہوگئے۔ یہ دوسرے دھڑے کے سرگرم رکن تھے اور جا وبیجا علامہ شبلی کی مخالفت ڈھکے چھپے کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی مخالفت کی لے جب بہت تیز وتند ہوگئی تو علامہ شبلی نے ندوہ سے استعفا دیدیا اور اپنے وطن اعظم گڑھ لوٹ آئے۔ یہاں آکر انہوں نے دارالمصنّفین کا منصوبہ بنایا اور سیرت النبیؐ کی ابتدائی جلدیں پایہ

تکمیل کو پہنچائیں۔عموماً دونوں بزرگ ساتھ رہے،تاہم کبھی کبھی خط وکتابت کی بھی نوبت آجاتی تھی۔ان کے نام علامہ شبلی نعمانی کے چار خطوط مکاتیب شبلی حصہ اول (۲) میں اور تین خطوط راقم کی مرتب کردہ مکتوبات شبلی کے طبع اول ۲۰۱۴ء میں شامل ہیں۔ بعد میں دو اور خطوط ملے جنہیں مکتوبات شبلی کے جدید ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے (۳)۔اس طرح مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کے نام کل سات خطوط دستیاب اور مدون ہو چکے ہیں۔البتہ علامہ شبلی کے نام اب تک ان کا کوئی خط دستیاب نہیں ہوا ہے۔ان خطوط میں ندوہ ہی کے معاملات سے متعلق گفتگو ہے۔

حواشی

(۱) حیات عبدالحی۔مولانا سید ابوالحسن علی ندوی،اردو مراٹھی پبلی کیشنز پونہ،۱۹۸۸ء

(۲) مکاتیب شبلی ج ۱ ص ۲۹۵

(۳) مکتوبات شبلی،طبع جدید ص ۲۲۳

سر محمد شفیع بیرسٹر

[۱۸۶۹-۱۹۳۲ء]

سر محمد شفیع بیرسٹر لاہور کے ایک بڑے ماہر قانون داں اور جاگیردار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔۱۸۹۲ء میں لندن سے بیرسٹری پاس کی تھی۔امپیریل لجسلیٹو کونسل اور پنجاب لجسلیٹو کونسل کے رکن رہے۔کونسل آف امپائر میں ہندوستان کو شریک کار کا درجہ انہی کی کوششوں سے حاصل ہوا تھا۔علی گڑھ تحریک اور اردو کے بڑے پرزور حامی تھے۔علامہ شبلی نعمانی کے کئی خطوط میں ان کا ذکر ہے۔وقف علی الاولاد کے وفد میں شمولیت کے لئے پنجاب کی طرف سے ان کا نام علامہ اقبال نے پیش کیا تھا۔(۱) معلوم نہیں شریک ہوئے یا نہیں۔اس سلسلہ میں ان سے علامہ شبلی کی خط وکتابت بھی ہوئی۔علامہ شبلی نے انھیں وقف علی الاولاد کے متعلق انگریزوں کے غلط فیصلوں سے آگاہ کیا تو انھوں نے لکھا کہ

مکرم بندہ جناب مولوی صاحب۔السلام علیکم

مزاج مقدس

میں نے رسالہ وقف مرسلہ جناب بغور مطالعہ کیا۔اس سے پہلے بھی اس مسئلہ کی نسبت میں نے مختلف کتابیں اور مضامین اس غرض سے دیکھے کہ پریوی کونسل کے فیصلہ کی نسبت اپنی رائے قائم کروں۔ میری قطعی رائے ہے کہ فیصلہ پریوی کونسل شرع محمدی کے اصولوں اور احکام کے برخلاف ہے۔ رسالہ وقف کے مطالعہ سے میری اس رائے کو اور بھی تقویت ہوگئی ہے۔اس امر کے متعلق جناب نے رسالہ میں جو تجویز فرمائی ہے، مجھے اس سے کلی اتفاق ہے۔

راقم نیازمند

محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا

۱۴؍جون ۱۹۰۸(۲)

دو ماہ بعد علامہ شبلی نے جب باقاعدہ انجمن وقف علی الاولاد قائم کی اور مسٹر محمد شفیع کو اس کا رکن بننے کے لئے خط لکھا تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ

کرم فرمائے بندہ جناب مولانا صاحب............السلام علیکم

مزاج شریف

مجھے انجمن وقف سے ہر طرح ہمدردی ہے اور اس کی ممبری بسر وچشم قبول کرتا ہوں۔والسلام نیازمند

محمد شفیع بیرسٹ ایٹ لا

لاہور۔۱۷؍اگست ۱۹۰۸ء(۳)

حوالے

(۱) کلیات مکاتیب اقبال جلد اول ص ۲۳۹

(۲) رپورٹ کارروائی وقف علی الاولاد ص ۱۵

(۳) ایضاً ص ۱۶

سید محمد محسن خاں بلگرامی

[...]

سید محمد محسن خاں بلگرامی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

مولوی عبدالغنی وارثی

[م: ۱۰/جون ۱۹۱۸ء]

مولوی عبدالغنی وارثی عظیم آبادی استھاواں بہار کے نامور فرد اور بڑے عالم و فاضل شخص تھے۔ مدرسہ احمد یہ آرہ کے فاضل تھے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ سے جدید تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ ایک عرصہ تک حکومت حیدرآباد میں مترجم اور فرسٹ اسسٹنٹ جنرل اکاؤنٹنٹ کے عہدہ پر فائز رہے۔ یہیں علامہ شبلی نعمانی سے ان کے روابط قائم ہوئے جو ہمیشہ باقی رہے۔ انہیں تصوف کا ذوق تھا۔ اس مناسبت سے انہوں نے متعدد متصوفانہ کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کے کتب و تراجم کے نام یہ ہیں۔

ہدیہ عمادیہ، بوذاسف وبلوہر، الکلم الروحانیہ فی الحکم الیونانیہ، نعمت عظمیٰ، ابن شداد کی سیرت صلاح الدین وغیرہ۔

وہ امام شعرانی کی سوانح عمری بھی لکھ رہے تھے۔ افسوس کہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ اسی طرح ماہنامہ الناظر لکھنو میں ایک ترجمہ بالاقساط شائع کر رہے تھے جو بعد ''مسلمانان اندلس'' کے نام سے ۱۹۱۹ء میں مکتبہ الناظر لکھنو ہی سے شائع ہوا۔ یہ دراصل لین پول کی کتاب ''مورس

ان اسپین'' کا اردو ترجمہ ہے۔

علامہ شبلی سے ان کی خط و کتابت بھی تھی۔ ان کے نام علامہ شبلی ایک خط مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل ہے۔اس میں علامہ شبلی سیرۃ النبی کی طباعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سیرت کے اجزا اب نظر ثالث ہورہے ہیں تاکہ جس قدر درست ہوتا جائے مطبع میں جانے کے قابل ہوتا جائے ،لیکن بڑی دشواری مطبع کے انتخاب کی ہے۔ رعد(۱) کے سوا کوئی چھپتا نہیں اور وہ ظالم برسوں بلکہ قرنوں لگا دے گا۔''(۲)

بہت سے لوگوں کی طرح مولوی عبدالغنی وارثی بہاری نے علامہ شبلی نعمانی کی خواہش پر اپنا قیمتی کتب خانہ ندوہ کی نذر کیا تھا۔

حواشی

(۱) رعد سے مراد مولوی رحمت اللہ رعدؔ کا مطبع نظامی کان پور ہے۔علامہ شبلی کی وفات کے بعد اسی مطبع میں سیرت کی پہلی جلد شائع ہوئی۔

(۲) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۳۲۲

منشی نجم الدین

[۱۸۷۰-۱۹۶۰ء]

منشی نجم الدین علی گڑھ اسکول کے استاد، سرسید احمد خاں کے رفیق اور علی گڑھ کے شیخ زادوں میں تھے۔ شہر میں بالائے قلعہ رہتے تھے۔ برسوں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اکاؤنٹنٹ رہے۔ عمدہ خوش نویس اور زود نویس تھے۔ قدیم کتب و مسودات کی نقل کا کام بڑی مہارت اور تیزی سے کرتے تھے۔

ابتدا میں ایم اے او کالج علی گڑھ کے ابتدائی اسکول میں استاد رہے۔ پھر علامہ شبلی کے

مشورہ اور اپنی کوشش سے سرسید کے مسودات کی صفائی پر معمور ہوئے۔

علامہ شبلی سے مراسم و تعلقات بڑے بے تکلفانہ تھے۔ انہی نے اولاً سرسید احمد خاں سے منشی نجم الدین کا تعارف کرایا تھا اور مسودہ نویسی کے لئے سفارش کی تھی۔ چنانچہ وہ سرسید احمد خاں کے لئے مسودہ نویسی پر مامور ہوئے اور اخیر تک اسی عہدہ و منصب پر فائز رہے۔ اسی سے متعلق علامہ شبلی نعمانی کا ایک خط ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہے جو سہ ماہی مجلّہ ''فکر و نظر'' علی گڑھ ستمبر ۱۹۸۵ء سے نقل کیا گیا ہے۔

سید ہمایوں مرزا

[۱۸۷۰-۱۹۳۸ء]

سید ہمایوں مرزا حیدرآباد کے ممتاز رئیس، ماہر قانون داں اور ادیب و انشا پرداز تھے۔ اصلاً عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید الفت حسین فریاد صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا شمار رؤساء عظیم آباد میں ہوتا ہے۔ وہ عالم دین اور فارسی کے نغز گو شاعر تھے۔ ان کی سوانح ''حیات فریاد'' ان کے شاگرد رشید شاد عظیم آبادی نے لکھی ہے۔ سید ہمایوں مرزا انہی کے لائق فرزند تھے۔

سید ہمایوں مرزا نے ابتدائی تعلیم پٹنہ میں حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان گئے۔ بیرسٹر ہو کر ۱۸۹۴ء میں ہندوستان واپس آئے۔ حیدرآباد میں سکونت اور وکالت کا شغل اختیار کیا اور پھر ۱۹۳۸ء میں اسی شہر حیدرآباد کی خاک کی نذر ہوئے۔

اردو میں داد سخن دیتے تھے۔ ''میری کہانی میری زبانی'' ان کی خودنوشت ہے جسے ان کی شریک حیات، نامور ادیبہ، مصنفہ، اور حقوق نسواں کے تحفظ کی علم بردار، بیگم صغرا ہمایوں مرزا نے ۱۹۳۹ء میں شائع کیا۔ ان کی دیگر تصنیفات و تالیفات بھی شائع کیں۔

ان سے علامہ شبلی نعمانی کے گونا گوں اور بے تکلفانہ مراسم تھے۔ ان کا مستقل قیام

حیدرآباد میں رہا۔ ۱۹۰۱ء میں علامہ شبلی بھی حیدرآباد پہنچے اور سررشتہ علوم وفنون کے ناظم مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں جب علامہ شبلی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری منتخب ہوئے اور حیدرآباد میں اس کے اجلاس منعقد کئے۔ سید ہمایوں مرزا انجمن ترقی اردو کے ان اجلاسوں میں شریک ہوتے اور صدارت فرمایا کرتے تھے۔ اس بات کی انہوں نے اپنی ''آپ بیتی'' میں صراحت کی ہے۔ اور اسی سبب سے ہم نے ان کا اوران کی خودنوشت کا ذکر اپنی کتاب ''شبلی خودنوشتوں میں'' قدرے تفصیل سے کیا ہے۔ ان کے نام علامہ شبلی کے دو رقعے مکتوبات شبلی میں شامل ہیں۔

مولانا ظفرعلی خاں

[۱۸۷۰-۱۹۵۶ء]

مولانا ظفرعلی خاں اردو کے نامور ادیب، شاعر، مترجم، صحافی، سیاسی رہنما اور مشہور مجاہد آزادی تھے۔ روزنامہ زمیندار لاہور اور ہفت روزہ ستارہ صبح لاہور کے مدیر اعلی رہے۔ زمیندار کی ادارت میں سردھڑ کی بازی لگادی تھی۔ چنانچہ ضمانتیں ضبط ہوئیں، قرقیاں ہوئیں، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، مگر ان میں نشہ آزادی ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوا۔ تحریک خلافت اور ملک کی آزادی میں ان کا بڑا اہم اور نمایاں حصہ ہے۔

مولانا ظفرعلی خاں جنوری ۱۸۷۳ء میں سیال کوٹ کے ایک گاؤں مہرتھ میں پیدا ہوئے، میٹرک تک پٹیالہ میں تعلیم پائی۔ ۱۸۹۲ء میں ایف اے پاس کرکے سری نگر محکمہ ڈاک میں ملازم ہوئے، لیکن انگریز افسر سے نہیں بنی۔ چنانچہ ملازمت ترک کرکے بی اے کرنے علی گڑھ کالج آگئے۔ اس زمانہ میں علامہ شبلی ایم اے او کالج علی گڑھ میں فارسی وعربی کے پروفیسر تھے۔ یہاں خاص طور پر ان کا درس قرآن بہت مشہور تھا۔ مولانا ظفرعلی خاں نے ان کے درس قرآن میں شرکت کی۔ علی گڑھ میں وہ علامہ شبلی کے مخصوص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

(مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۳۲۸)

علی گڑھ میں طلبہ کی تنظیم لجنۃ الادب اور اخوان الصفا کے وہ سرگرم رکن رہے۔ تحصیل علم کے بعد وہ ریاست حیدرآباد کے دارالترجمہ میں ملازم ہوئے، مگر ان کے باغیانہ خیالات کی وجہ سے انگریزوں نے نظام حیدرآباد سے کہہ کر انہیں وہاں سے نکلوا دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے والد کے اخبار زمیندار لاہور سے وابستہ ہو گئے اور اسے آزادی و حریت کا نقیب بنا دیا۔

۲۷ر نومبر ۱۹۵۶ء میں گجرانوالہ میں انتقال کیا۔

انہیں ابتدا ہی سے شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی۔ علی گڑھ کی طالب علمی کے زمانہ میں بھی وہ اردو و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اپنے استاذ علامہ شبلی نعمانی کو شمس العلماء کا خطاب ملنے پر بڑا زبردست فارسی قصیدہ پیش کیا تھا جو حیات شبلی میں درج ہے۔ وہ آخر تک اپنے استاذ کا بڑے احترام سے ذکر کرتے تھے۔ وہ پختہ مشق اور قادر الکلام شاعر تھے۔ شاعری میں ان کا ایک مخصوص رنگ تھا۔ بدیہہ گوئی اور طنز نگاری میں بھی وہ ممتاز تھے۔ ان کے متعدد مجموعہ کلام شائع ہوئے، جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ شورِ محشر، ۲۔ بہارستان، ۳۔ نگارستان معروف بہ حبسیات، مطبوعہ: ۱۹۲۶ء، لاہور، ۴۔ ارمغان قادیان [مطبوعہ ۱۹۳۶ء]، ۵۔ چمنستان [مطبوعہ: ۱۹۴۴ء] ۶۔ خمستان حجاز [مطبوعہ: ۱۹۶۵ء]، ۷۔ خیالستان شائع ہوئے۔

مولانا ظفر علی خاں ایک بڑے مقالہ نگار بھی تھے۔ ان کے مقالات کے کئی مجموعے:
۱۔ جنگ روس و جاپان [مطبوعہ: ۱۹۰۵ء] ۲۔ لطائف الادب [مطبوعہ: ۱۹۲۵ء] ۳۔ غلبہ روم [مطبوعہ: ۱۹۲۶ء] ۴۔ حقیقت و افسانہ [مطبوعہ: ۱۹۴۰ء] ۵۔ حقائق و معارف [مطبوعہ: ۱۹۴۴ء] ۶۔ جواہر الادب، ۷۔ مقالات ظفر علی خاں وغیرہ شایع ہوئے۔

انہوں نے متعدد کتابوں کے ترجمے کئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ جنگل میں منگل، ۲۔ سیر ظلمات، ۳۔ اسرار لنڈن، ۴۔ خیابان فارس، ۵۔ معاشرت [پانچ ڈراموں کا ترجمہ]، ۶۔ معرکہ مذہب و سائنس، ۷۔ علامہ جمال الدین افغانی، ۸۔ ملت

بیضا پر ایک عمرانی نظر۔ [علامہ اقبال کا خطبہ علی گڑھ]

مولانا ظفر علی خاں شاعر سے بڑھ کر ایک بڑے خطیب اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ اپنے خطبات میں بھی وہ کبھی کبھی اپنے استاذ علامہ شبلی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ نجی مجلسوں میں تو اکثر ان کا ذکر کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی علی گڑھ کی طالب علمی کے متعلق جو مضمون لکھا ہے اس میں بھی علامہ شبلی نعمانی کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کے نام علامہ شبلی کا ایک خط ''مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں اور دو خطوط ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہیں۔ ان تینوں خطوط میں ندوہ کا ذکر ہے۔ بعض مراسلات شبلی بھی انہوں نے زمیندار میں شائع کئے۔ اسی طرح ایک خط میں علامہ شبلی کے ایک فتوے کا ذکر ہے جو انہوں نے ترکوں کے تعاون کے لئے دیا تھا۔ تفصیل حیات شبلی میں درج ہے۔

مسٹر محمد اسحاق وکیل

[۱۲رنومبر ۱۹۱۴ء]

مسٹر محمد اسحاق وکیل [م: ۱۲راگست ۱۹۱۴ء] ماہر قانون داں اور الہ آباد ہائی کورٹ کے نامور وکیل تھے۔ بڑے متحرک اور سرگرم رہتے تھے۔ وہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے رکن رہے اور اس کے متعدد اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ اور مالی تعاون بھی کیا۔

یہ علامہ شبلی کے منجھلے بھائی تھے۔ موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ گئے۔ وہاں سے بی. اے اور ایل ایل بی کی اسناد حاصل کیں۔ واپس آئے تو ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی اور بڑی شہرت اور نیک نامی پائی۔ عین جوانی میں ۱۲راگست ۱۹۱۴ء کو یکا یک انتقال کیا۔

مسٹر محمد اسحاق علامہ شبلی کے دست و بازو تھے۔ اور وہ انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ تمام گھریلو اور زمیندارانہ ذمہ داریاں انہیں کے سپرد تھیں۔ یہ علامہ شبلی کے بڑے معین و مددگار

رہے۔نیشنل اسکول اعظم گڑھ کے اصلاً ذمہ دار بھی یہی تھے۔اسے وہ بہت ترقی دی اور مزید ترقی دینے کا عزم رکھتے تھے۔یہی نہیں وہ اعظم گڑھ کے تمام بڑے قصبات میں نیشنل اسکول قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے،اس کے لئے انہوں نے اپنی جیب سے ایک رقم [پانچ سو روپئے] بھی مختص کر لی تھی،مگر افسوس ان کی بے وقت کی موت سے ان کے ارمان،ارمان ہی رہ گئے۔علامہ شبلی کو ان کی موت سے سخت صدمہ پہنچا اور ان کا بڑا دلدوز مرثیہ لکھا۔جو ان کے اردو کلیات میں شامل ہے۔ان کے پوتے جناب احمد اسحاق نعمانی کے بقول بڑے دادا یعنی علامہ شبلی انہی کے صدمے میں چل بسے تھے۔

علامہ شبلی سے ان کی مسلسل خط و کتابت رہی۔مکاتیب شبلی میں ان کے نام ۲۶ رخطوط شامل ہیں۔اور مکتوبات شبلی میں تین نو دریافت خطوط شامل ہیں۔اس طرح اب تک ان کے نام ۲۹ رخطوط شائع ہو چکے ہیں۔

کھنڈا ضلع الہ آباد میں غالباً محمد اسحاق وکیل ہائی کورٹ کی سسرال تھی۔ان کی تین شادیاں ہوئی تھیں۔پہلی موضع بندول کی تھیں۔دوسری غالباً اسی کھنڈا کی اور تیسری غازی پور کی رہنے والی تھیں۔اول الذکر بیویوں نے کم مدت حیات پائی۔

ان کی کم عمری کی موت سے علامہ شبلی کو بڑا سخت صدمہ پہنچا۔چنانچہ علامہ شبلی بالکل بجھ کر رہ گئے۔انہوں نے ان کا بڑا دلدوز مرثیہ لکھا ہے جو ان کے اردو کلیات میں شامل ہے۔

مولوی محمد اسحاق کے ایک عزیز دوست مولوی محبوب الرحمٰن کلیم جیراجپوری [۱۸۶۸-۱۹۲۵ء] نے بھی ان کا ایک مرثیہ لکھا تھا،جو مطبع کاظمیہ جون پور سے شائع ہوا تھا،مگر اب وہ کہیں دستیاب نہیں ہے۔ان کے نام علامہ شبلی کے خطوط میں خانوادۂ شبلی کے نجی اور ذاتی قسم کے حالات و واقعات معلوم ہوتے ہیں۔نیشنل اسکول کے متعلق ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''سر دست میرے نزدیک بھی وہ ایک حقیر صورت رکھتا ہے،لیکن ایک لوہار کی اس میلی چمڑی سے کم حیثیت نہیں ہے جس کو اس نے مدت تک اپنے پاؤں کے محفوظ رکھنے کے لئے استعمال کیا تھا اور جو بعد کو ایک معمولی علم پر چڑھ کر

تین ہزار برس تک درفش کادیانی کے فخر آمیز لقب سے پکارا گیا۔‘‘
(مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۳۵-۳۶)

بابائے مولوی عبدالحق

[۱۸۷۰-۱۹۶۱ء]

بابائے اردو مولوی عبدالحق اردو کے بڑے ادیب اور محقق و مصنف تھے۔ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری اور مجلّہ اردو کے بانی مدیر بھی رہے۔ وہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ سے بی۔اے۔کیا۔ اس زمانہ میں وہاں علامہ شبلی عربی و فارسی کے پروفیسر تھے۔ مولوی عبدالحق تحصیل علم کے بعد حیدرآباد کے محکمہ تعلیم میں ملازم ہوگئے۔ اس وقت مولوی عزیز مرزا بی اے انجمن ترقی اردو کے سکریٹری تھے۔ ان کے بعد مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو کے سکریٹری مقرر ہوئے اور پھر اپنی پوری زندگی اسی کی نذر کردی۔ تقسیم کے بعد پاکستان گئے تو وہاں بھی انجمن ترقی اردو ہی کی خدمت کی۔ ان کے قلم سے متعدد کتابیں نکل کر مقبول ہوئیں۔ قواعد اردو، ملا نصرتی، دکنی مخطوطات، مقدمات عبدالحق، مرحوم دہلی کالج، اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ اور چند ہم عصر وغیرہ ان کی اہم اور قیمتی تصنیفات ہیں۔ بابائے اردو نے انگریزی اردو ڈکشنری بھی تیار کی ہے جو ان کا بڑا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

۱۶/اگست ۱۹۶۱ء کو کراچی میں وفات پائی اور اردو یونیورسٹی کی خاک کا پیوند ہوئے۔

ان کو علامہ شبلی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ علی گڑھ کے زمانہ میں انہوں نے علامہ شبلی سے اردو و فارسی ادب کی تعلیم پائی تھی۔ اپنی ایک تحریر میں علامہ شبلی کی شاگردی پر فخر کیا ہے مگر کسی وجہ سے وہ علامہ شبلی کے مخالف ہوگئے تھے اور ان کے پاک دامن کو مقدمہ خطوط شبلی لکھ کر داغدار کیا اور پھر مدۃ العمر ان کا یہ رویہ قائم رہا اور بلا وجہ اور بلا موقع و محل بھی وہ علامہ پر نقد کر دیا کرتے تھے اور ہر جگہ سے علامہ شبلی کا نام مٹانے کی کوشش کرتے رہے۔ البتہ آخر میں عبداللطیف اعظمی کے

استفسار پر ایک خط میں ان کے علم وفضل اور علوئے مرتبت کا اعتراف کیا۔ یہی نہیں بلکہ مخالف ہونے سے بھی صاف انکار کیا ہے۔ (ماہنامہ ادیب علی گڑھ شبلی نمبر ص۳)

خطوط شبلی کے مقدمہ میں انہوں نے المامون، الفاروق، سیرۃ النعمان، شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر کے مصنف کے بارے میں کہا تھا کہ ان کی کتابوں کو ابھی سے لونی لگنی شروع ہو گئی ہے اور وہ بہت جلد کتاب خانوں میں نظر آئیں گی۔ موت بہت سا بھرم رکھ لیتی ہے۔ آج وہ زندہ ہوتے تو اپنے ناکام خواب کی ناکام تعبیر پر کس قدر رنجیدہ ہوتے۔ آج علامہ شبلی کی کتابوں کا دنیا کی تقریباً ہر زندہ زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اب تک ۱۴۲ر تراجم دنیا کے مختلف خطوں اور علاقوں میں شائع ہوئے ہیں، جس کی اردو میں شاید دوسری نظیر نہ مل سکے گی۔

بابائے اردو نے اردو میں مقدمہ نگاری کی ایک طرح ڈالی ہے اور بلاشبہ یہ ان کا بڑا اہم ادبی کارنامہ ہے مگر خطوط شبلی کا مقدمہ لکھ کر انہوں نے مقدمہ نگاری کو بھی نقصان پہنچایا۔ چنانچہ اس کے بعد فضولیات کی شمولیت کو مقدمہ کا وصف خیال کیا جانے لگا۔ اس مقدمہ نے اردو ادب میں کچھ افراد کو اس طرح کے بے سروپا کام پر لگا دیا۔ مثلاً منشی محمد امین زبیری اس کے بعد شبلی کی رنگین زندگی کے اوراق کی مصوری کرتے رہے، اور واقعہ یہ ہے کہ ڈھنگ کا کوئی صفحہ پینٹ نہیں کر سکے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق پر متعدد سوانحی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن کسی میں مجھے ان کے ماہانہ رسالہ افسر حیدر آباد کا ذکر نظر نہیں آیا۔ یہ اردو زبان و ادب ایک بڑا اہم رسالہ تھا۔ جیسا کہ اس کے مشمولات سے اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے ۱۹۰۱ء کے متعدد شمارے راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔

منشی محمد امین زبیری

[۱۸۷۰ء-۱۹۵۸ء]

منشی محمد امین زبیری اردو کے ممتاز اہل قلم اور مصنف و مولف تھے۔ مدۃ العمر داد تصنیف

دیتے رہے۔مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔

زبیری صاحب نینی تال اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ رام پور میں تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد ریاست بھوپال میں صیغہ تاریخ کے مہتمم اور ریاست کے سرکاری رسالہ ماہنامہ ظل السلطان کے مدیر کی حیثیت سے برسوں کام کیا۔ یہ تقریباً ۲۴ ر سال ریاست بھوپال سے وابستہ رہے۔انہوں نے دو درجن سے زیادہ کتابیں لکھیں۔انہوں نے ایک رسالہ سفیر بھی جاری کیا تھا، ریاست بھوپال کے خاتمہ کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہیں ۵ر ستمبر ۱۹۵۸ء کو کراچی میں انتقال کیا۔

منشی محمد امین زبیری ابتدا میں علامہ شبلی کے بڑے قدرداں تھے۔سیرۃ النبی کی تالیف کے لئے ریاست بھوپال سے علامہ شبلی کو جو وظیفہ ملا تھا اس کے ملنے میں ان کی کوششوں کا بھی دخل تھا۔مگر علامہ شبلی کی وفات کے بعد ان کے تئیں زبیری صاحب کا رویہ اچھا نہیں رہا۔اور انہوں نے علامہ شبلی کے خلاف ''شبلی کی رنگین زندگی'' نامی کتابچہ لکھ کر شائع کیا۔اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی کی حیات شبلی شائع ہوئی تو اس کے خلاف ایک طویل تبصرہ ''ذکر شبلی'' کے نام سے لکھا، جس میں علامہ شبلی پر جا و بیجا بڑی سخت تنقیدیں کیں۔عطیہ فیضی کے نام علامہ شبلی کے خطوط انہیں نے شائع کئے تھے، اور انہی نے بابائے اردو سے مقدمہ لکھوایا تھا، جس میں انہوں نے شبیہ شبلی بالقصد خراب کی ہے۔ چونکہ ابتدا میں وہ علامہ شبلی کے بڑے حامی تھے اور بیگم سلطان جہاں اور علامہ شبلی کے درمیان کی ایک کڑی بھی تھے، اس لئے ان سے تالیف وتصنیف سیرت کے متعلق اپنے عزم کا ذکر علامہ شبلی نے ان الفاظ میں کیا تھا:

> ''ہر حالت میں (سیرت کا) کام جاری رکھوں گا اور اگر مر نہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشاءاللہ دنیا کو ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع کئی سو برس تک نہیں ہوسکتی۔'' (مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۲۴۲)

ان کے نام علامہ شبلی کا ایک خط راقم کی کتاب ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہے۔

چونکہ بیگم سلطان جہاں فرماں روائے بھوپال کی جانب سے علامہ شبلی کی زبردست

پذیرائی ہوئی تھی اس لئے محمد امین زبیری کے نام علامہ کے خطوط میں ان کے عزائم زیادہ واضح محسوس ہوتے ہیں۔ اسوۂ صحابہ وصحابیات اورازواج مطہرات وغیرہ پرکام کرنے اوران پر کتابیں لکھنے کی ان کی خواہش کا ذکر بھی منشی محمد امین زبیری کے نام خطوط میں آیا ہے۔

خواجہ کمال الدین

[۱۸۷۰-۱۹۳۲ء]

خواجہ کمال الدین انگریزی اہل قلم، یورپ میں داعی اسلام، احمدیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کرسچین کالج لاہور سے بی.اے. اور لا کالج لاہور ہی سے قانون کی سند حاصل کی۔۱۹۱۲ء میں انگلینڈ گئے اور وہیں ۱۹۱۳ء میں ووکنگ مشن قائم کیا۔ مشہور انگریزی رسالہ اسلامک ریویو انہیں نے جاری کیا تھا۔ اس میں مولانا سید سلیمان ندوی کے بھی بعض مضامین اور تحریریں شائع ہوئیں۔(۱) لندن ہی سے اشاعت اسلام کے نام سے اردو میں بھی ایک رسالہ جاری کیا تھا جو برسہا برس نکلتا رہا۔ انہوں نے اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں لکھیں۔ اردو میں اسوۂ حسنہ [۱۹۱۱ء] میں تمدن اسلام [م: ۱۹۳۰ء] سراج ہدایت [م:۱۹۲۳ء] ام الالسنہ [م: ۱۹۲۴ء] وغیرہ ان کی کتابیں ہیں۔

خواجہ کمال الدین جس زمانہ میں لندن میں مقیم تھے۔ علامہ شبلی سے خط وکتابت کی اور علامہ کی بعض کتابیں منگوائیں۔ ایک زمانہ میں علامہ شبلی کی ملی وقومی نظمیں بے حد مشہور ہوئی تھیں، خواجہ کمال الدین نے ایک خط میں لکھا ہے کہ میں ان کو پڑھ کر رو پڑا۔(۲) انہوں نے لندن میں بیٹھ کر جس طرح اسلام کی خدمت کی۔ احمدی ہونے کے باوجود ان سے بہت سے مسلمان متاثر ہوئے۔ ان میں ایک نام حکیم محمد اجمل خاں شیداؔ کا بھی ہے، جنہوں نے ان کی اسلامی خدمات کے پیش نظر ان کا بڑا تعاون کیا۔ علامہ شبلی نے تو ایک خط میں ان کے راسخ عزم تبلیغ کے پیش نظر یہ شعر بھی لکھ دیا کہ

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

خواجہ کمال الدین نے بیسیوں برس لندن میں عیسائیت کے بالمقابل اسلام کی سربلندی کے لئے کام کیا اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی ان کی تصنیفات کے بڑے حصہ کا موضوع ''احمدیت''نہیں''محمدیت'' ہے۔(۳) علامہ شبلی کا ان کے نام ایک خط حال ہی میں زمیندار لاہور میں ملا ہے۔(۴) خواجہ کمال الدین کا بھی ایک خط راقم کی کتاب''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شامل ہے۔(۵) اس سے دونوں کے گہرے تعلقات کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ شبلی کی کتاب زندگی کا ایک نہایت شاندار باب ان کی مستشرقین سے متعلق خدمات ہیں خواجہ کمال الدین کی تحسین انہوں نے غالبًا اسی لئے کی کہ وہ اسلام کا پیغام یورپ میں پھیلا رہے ہیں۔

حوالے

(۱) وفیات معارف ص ۸۸
(۲) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ص ۱۱۰
(۳) وفیات معارف ص ۸۸
(۴) شبلی اور جہان شبلی ص ۱۶۳، بحوالہ زمیندار لاہور ۲۰ رنومبر ۱۹۱۴ء
(۵) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ص ۱۱۰

سید عبدالحکیم دسنوی

[م: ۵رمئی ۱۹۵۸ء]

دوررہ کر بھی جو لوگ علامہ شبلی نعمانی سے بہت محبت کرتے تھے ان میں مولوی سید عبدالحکیم دسنوی کا نام بہت نمایاں ہے۔ وہ دیسنہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں تعلیم حاصل کی اور پھر مسلسل مطالعہ سے اس قدر استعداد پیدا کرلی کہ الپنچ پٹنہ اور دیگر رسائل وجراید میں علمی وادبی

مضامین لکھا کرتے تھے۔ راقم کی نظر سے ان کے متعدد ادبی مضامین گذرے ہیں۔

مولوی سید عبدالحکیم دسنوی بڑے نیک اور شریف انسان تھے۔ علم و ادب سے حد درجہ دلچسپی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ علمی و ادبی سرگرمیوں کے علاوہ کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ شعر و ادب کے بھی بڑے دلدادہ و شیدا تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ علامہ شبلی کے حلقہ احباب اور معتقدین میں تھے۔ قومی و ملی کاموں سے بے انتہا دلچسپی لیتے۔ علامہ شبلی کی تمام تحریکوں میں حصہ لیا اور ان کی تائید میں اخبارات و رسائل میں مضامین لکھے۔ ۵/مئی ۱۹۵۸ء کو دیسنہ میں انتقال کیا اور دیسنہ ہی کی خاک کے سپرد ہوئے۔

علامہ شبلی نے ان کے نام ایک خط میں قوموں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''قوم میں جب نیک و بد کی تمیز ہوتی ہے تو وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتی، اس کو خود بھروسا ہوتا ہے کہ وہ خذ ما صفا کر لے گی۔ جب علم نہیں رہتا اور حسد اور رشک کے سوا اور کوئی جوہر نہیں موجود ہوتا تو لوگ اس قسم کی باتیں کہہ کر اپنا دل خوش کرتے ہیں اور لوگوں کو بدگمان بناتے ہیں۔''(۱)

حوالہ

(۱) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۲۹۲

سید افتخار عالم مارہروی

[۱۸۷۱-۱۹۲۴ء]

سید افتخار عالم مارہروی مارہرہ کے رہنے والے اردو کے ممتاز اہل قلم ادیب، شاعر اور سوانح نگار تھے۔ انہیں داغ دہلوی [۱۸۳۱-۱۹۰۵ء] سے شرف تلمذ حاصل تھا اور آزاد تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے متعدد ادبی و سوانحی کتابیں لکھیں۔ ان میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی سوانح ''حیات النذیر'' خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ مولوی نذیر احمد کی نظموں کا مجموعہ ''نظم بے نظیر''

بھی انہوں نے ہی مرتب کیا ہے۔اسی سلسلہ یعنی حیات شبلی لکھنے کی غرض سے علامہ شبلی سے بھی خط و کتابت کی تھی۔ان کے دوخطوط مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل ہیں۔

مولوی نذیر احمد کے بعد وہ علامہ شبلی نعمانی کی سوانح عمری لکھنے کے آرزومند تھے۔ چنانچہ انہوں نے علامہ شبلی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے منع کر دیا۔اور مولانا ابوالکلام آزاد کولکھا کہ

''ہاں اور سنیں افتخار عالم صاحب،مولوی نذیر احمد کی لائف لکھ کر انہی آلودہ ہاتھوں سے حیات شبلی کو چھونا چاہتے ہیں۔اجازت اور حالات مانگے ہیں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ ظاہری حالات تو ہر جگہ مل جائیں گے،لیکن عالم السرائر خدا کے سوا ایک اور بھی ہے۔وہاں سے منگوایئے۔بھئی بتا تو نہ دو گے۔ایسے لوگ لاکھ لکھیں تو کس کو خوشی ہو گی۔''(۱)

مولانا سید سلیمان ندوی[۱۸۸۴-۱۹۵۳ء] نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''اس فقرہ سے استکبار اور ترفع کا مفہوم نہ سمجھا جائے۔مقصود یہ ہے کہ منشی صاحب مرحوم صرف اردو و فارسی کا علم رکھتے تھے۔گو خوش سلیقہ اور سنجیدہ تھے تاہم مولانا پر لکھنے کے لئے علوم عربیہ اور فنون کلامیہ اور ادب و تاریخ پر اطلاع ضروری تھی،اس لئے مولانا کا خیال تھا کہ وہ ان کی سوانح عمری کے فرض سے بہ آسانی عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔''(۲)

ممکن ہے یہ بات درست ہو۔اس لئے کہ سید صاحب علامہ شبلی کے جانشین اور بہت سی باتوں کے راز دار تھے،مگر''مکاتیب شبلی''میں شامل علامہ شبلی کے دونوں خطوط اور''حیات النذیر'' کے دیباچہ اور اس پر خود سید افتخار عالم مارہروی کے حواشی سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ افتخار عالم مارہروی کو ناپسند کرتے تھے۔اس کے اسباب چاہے جو بھی ہوں۔

اس کے بعد بھی سید افتخار عالم صاحب حیات شبلی تحریر کرنے کی آرزو سے دست بردار نہیں ہوئے اور علامہ شبلی سے دوبارہ رابطہ قائم کیا۔مگر انہوں نے اب کے لکھا کہ''میری لائف

میرے بعد لکھئے گا، ورنہ مکمل لائف کیونکر ہوگی۔(۳)

بہر حال سید افتخار عالم مارہروی اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ''حیات شبلی'' لکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور علامہ شبلی کی خواہش کے مطابق مولانا سید سلیمان ندوی نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اور بقول پروفیسر آل احمد سرور سید صاحب نے ''حیات شبلی'' لکھ کر مولانا حالی سے وہ تاج فضیلت چھین لیا جو ''حیات جاوید'' کی بدولت ان کے سر پر تھا۔(۴)

حوالے

(۱) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۲۵۱-۲۵۲

(۲) حیات شبلی ص ۳۵

(۳) مکاتیب شبلی ج ا ص ۳۱۵

(۴) بحوالہ شبلی نامہ ص ۱۱

جگر بسوانی

[۱۸۷۲-۱۹۵۸ء]

جگر بسوانی اردو کے مشہور شاعر تھے۔ بسواں ضلع سیتا پور کے رہنے والے تھے۔ ان کے خطوط سے معلوم ہوا کہ یہ علامہ شبلی کے احباب میں تھے۔ انہیں عطیہ بیگم فیضی سے یک طرفہ عشق ہو گیا تھا۔ اس کا وہ برملا اظہار بھی اپنے احباب کے درمیان کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عطیہ بیگم فیضی سے بھی اس کا صاف صاف ذکر کیا اور انہیں متعدد خطوط لکھے، جس میں نکاح کرنے کی خواہش اور کسی وعدہ خلافی کا ذکر ہے۔ اس کے لئے وہ عطیہ کی تا حیات غلامی کو بھی تیار تھے، لیکن عطیہ فیضی نے ان کے کسی خط کا جواب نہیں دیا۔ انہوں نے علامہ شبلی سے اس سرد مہری کی شکایت کی اور ان سے سفارش بھی کرائی کہ وہ ان کو راضی کریں۔ اور کم از کم ایک بار علامہ شبلی کے ساتھ عطیہ فیضی سے ملنے بھی گئے۔(۱)

عطیہ فیضی کی شخصیت بھی کیسی پر کشش تھی کہ ہندوستان کے متعدد ممتاز اشخاص ان کے گرویدہ رہے جس میں علامہ شبلی کے ساتھ علامہ سر شیخ محمد اقبال، سر شیخ عبدالقادر سرفرآز اور مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بھی آتا ہے، لیکن ان کے ان مشہور شیدائیوں میں جگر بسوانی کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ حالاں کہ عطیہ بیگم فیضی کا ان جیسا کوئی اور عاشق زار نہیں تھا۔

عطیہ فیضی سے راہ ورسم کے لئے جگر بسوانی نے علامہ شبلی سے خط وکتابت کی۔ ان کے نام علامہ شبلی کا کوئی دریافت تو نہیں ہوا ہے، البتہ جگر بسوانی کا ایک خط ضرور دستیاب ہے، جسے راقم نے اپنی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شامل ہے۔(۲)

حوالے

(۱) جگر بسوانی حیات اور کارنامے۔ص ۳۴۰

(۲) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط۔ص ۱۰۷

نواب غلام احمد کلامی

[م: دسمبر ۱۹۴۷ء]

قائد الملک نواب غلام احمد کلامی سابق صدر سینٹرل محمڈن ایسوسی ایشن بنگلور ہیں۔ وہ اصلاً ریاست راجن گڑھ ترچنا پلی تامل ناڈو کے چشم و چراغ تھے۔ سری رنگا پٹن کے سقوط کے بعد نواب آرکاٹ کی ایما پر راجن گڑھ پر قبضہ کرلیا گیا اور ان کے جدامجد کو پنشن دیدی گئی۔ یہی پنشن وراثتاً نواب غلام احمد کلامی کے حصہ میں آئی جوان کے عہد میں بائیس روپیہ آٹھ آنہ تھی۔ چنانچہ نواب صاحب ذاتی اور خانگی مسائل کی بنا پر راجن گڑھ کو خیر باد کہہ کر پہلے ترچنا پلی، پھر ویلور کی راہ لی۔ مختلف مقامات پر مختلف ملازمت اور مصائب سے گذر کر ایک انگریز کے تعاون سے تجارت کا آغاز کیا۔ جس میں اللہ تعالی نے بڑی برکت عطا کی اور وہ ایک بڑے تاجر کہلائے۔

نواب غلام احمد کلامی نے اپنے علاقہ کے مسلمانوں کی علمی وتعلیمی ترقی کے لئے تقریباً

چالیس برس جدوجہد کی۔ انہیں سرسید احمد خاں، ایم، اے، او، کالج اور علی گڑھ تحریک سے بڑا لگاؤ تھا۔ اور وہ سرسید احمد خاں کی کتابیں اور مضامین کا پابندی سے مطالعہ بھی کرتے تھے اور بقول نواب صاحب انہی کے مطالعہ سے ان کے اندر اسلامیت پیدا ہوئی۔(۱)

سرسید اور نواب غلام احمد کلامی کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم رہا۔ انہوں نے علی گڑھ کالج کی طرح وانم باڑی میں بھی ایک کالج قائم کرنے کا خواب دیکھا، مگر وہاں کے باشندوں نے اس سے دلچسپی نہیں لی، اس لئے ان کا وہ کام پورا نہ ہوسکا۔ البتہ انہوں نے ایک ہائی اسکول، کتب خانہ اور ایک مسلم بورڈنگ ہاؤس وغیرہ قائم کرانے میں ضرور کامیابی حاصل کی۔(۲) اور یہ کچھ کم اہم بات نہیں ہے۔

وہ مسلمانان پریسیڈنٹی مدراس اور میسور کے ہر طرح کے معاملات ومسائل سے دلچسپی لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ان کا بڑا ادب واحترام اور بڑی قدر ومنزلت تھی۔ میسور کے راجہ اور پرجا سب لوگوں کو ان سے بڑا تعلق خاطر تھا۔ یہی سبب ہے کہ میسور کے راجہ نے انہیں قائد الملک کا خطاب اور خلعت عطا کی تھی۔

علاوہ ازیں ۱۲/اپریل ۱۹۴۲ء کو میسور میں میسور کے عوام وخواص کی طرف سے ایک تقریب میں انہیں سپاس نامہ پیش کیا گیا، جس میں دس ہزار کی ایک بڑی رقم ان کے نذر کی گئی، جسے انہوں نے اپنے ڈھائی ہزار روپئے کے ساتھ انجمن کو ہدیہ کردیا۔ یہی نہیں ایک موقع پر انہوں نے اپنا انتہائی قیمتی کتب خانہ بھی قوم کی نذر کردیا تھا۔ سپاس نامہ کے جواب میں انہوں نے بڑی شاندار تقریر کی، جس سے ان کی ملی حمیت وغیرت اور مسلمانوں کے مسائل سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سپاس نامہ اور اس کا جواب دونوں شائع ہوئے ہیں اور مطالعہ کے قابل ہیں۔

نواب صاحب علی گڑھ کالج کے متعدد اخبارات ورسائل کے خریدار تھے۔ اس سلسلہ میں ان سے سرسید احمد خاں سے خط و کتابت بھی ہوتی تھی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری صاحب وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول آندھرا پردیش نے اپنی کتاب ''نقش ونظر'' میں ان کے نام سرسید کے خطوط یکجا کرکے ان پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔(۳) اسی سلسلہ میں نواب

غلام احمد کلامی نے علامہ شبلی کو بھی ایک خط لکھا تھا۔ اس خط میں کوئی قابل ذکر بات تو نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ علامہ شبلی کے قلم سے ہے۔

نواب غلام احمد کلامی کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ شبلی نے ان کا نام ندوہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان میں داخل کرنے کے لئے پیش کیا اور وہ رکن منتخب ہوئے۔ ندوہ، علی گڑھ کالج، انجمن حمایت اسلام لاہور اور بعض دوسرے اداروں کے بھی وہ رکن اور سرپرست رہے۔ علی گڑھ کالج کے نہ صرف رکن بلکہ فیلو بھی تھے۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بھی وہ رکن تھے اور اس کے اجلاسوں میں شریک ہوتے۔ تحریک خلافت سے بھی انہیں گہرا لگاؤ تھا۔ اس کے اجلاسوں میں وہ شریک رہتے۔ علی برادران اور بی اماں تحریک خلافت کے سلسلہ میں ویلور آئیں تو انہی کے یہاں قیام وطعام رہا۔

حوالے

(۱) سپاس نامہ کا جواب ص ۵-۶

(۲) سپاس نامہ ص ۱۰-۱۶

(۳) نقش ونظر ص ۲۹-۵۷، پروفیسر مظفر علی شہ میری، معراج پبلی کیشن، ترو پتی، ۱۹۹۸ء

نازلی رفیعہ بیگم

[۱۸۷۲-۱۹۶۸ء]

نازلی رفیعہ بیگم، عطیہ بیگم فیضی کی منجھلی بہن اور جنجیرہ کے حکمراں نواب سر سیدی احمد [۱۸۶۲-۱۹۲۲ء] کی مطلقہ تھیں۔ استنبول ترکی میں پیدا ہوئیں جہاں ان کے والد حسن علی آفندی [۱۸۳۸-۱۹۰۳ء] بغرض تجارت مقیم تھے۔ یہ جدید تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ خواتین کی بڑی ہمدرد اور خیر خواہ تھیں۔ ملک کی کئی خواتین تنظیموں سے وابستہ رہیں اور ان کا بڑا تعاون کیا۔

۱۸۸۶ء میں ان کا نکاح مروڈ جنجیرہ کے نواب سیدی احمد سے ہوا۔ برسوں کوئی اولاد نہ

ہونے کے سبب نواب صاحب نے جانشین کے لئے دوسرا نکاح کرنا چاہا، جس سے میاں بیوی میں اختلافات پیدا ہوئے اور دونوں کا رشتہ ازدواج قائم نہ رہ سکا۔ چنانچہ علاحدہ ہوگئے، مگر خاموشی سے نہیں۔ معاملہ عدالت گیا اور برسوں جاری رہا۔ غالباً عطیہ فیضی کی خواہش پر علامہ اقبال نے بھی بحیثیت قانون داں ان کے مقدمہ سے دلچسپی لی، مگر وہ بھی کسی نتیجہ پر نہ پہنچا سکے۔

نازلی بیگم اس زمانہ میں اردو کی ایک اہل قلم خاتون تھیں۔ خواتین کے رسائل میں مضامین لکھا کرتی تھیں۔ ان کا ایک سفرنامہ ''سیر یورپ'' اور ایک خودنوشت ''سرگذشت'' قلمی یادگار ہیں۔

نازلی رفیعہ بیگم جب جنجیرہ میں تھیں تو علامہ شبلی کو جنجیرہ آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ۷/ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو علامہ شبلی جنجیرہ پہنچے اور نواب صاحب کے مہمان ہوئے۔ انجمن اسلام جنجیرہ کے ایک جلسہ سے خطاب کیا۔ ویزٹ بک پر اپنے تاثرات لکھے، جسے راقم اپنی کتاب ''آثار شبلی'' کے باب نوادرات میں نقل کر چکا ہے۔ (باقیات شبلی ص ۱۳۹)

علامہ شبلی اور نازلی رفیعہ بیگم اور نواب صاحب کے درمیان خط کتابت بھی تھی۔ قلعہ مروڈ جنجیرہ کے نوادرات میں علامہ شبلی کے چند خطوط بھی شامل ہیں۔

علامہ شبلی کو جنجیرہ بہت پسند آیا۔ واپسی کے بعد بھی اس کے سحر میں گرفتار رہے اور بقول شخصے جزیرہ کا خواب انہیں دن میں بھی نظر آتا رہا۔ دراصل جب وہ جنجیرہ پہنچے اور اس کے پرفضا محل وقوع اور سبزہ زاروں کو دیکھا تو ان کے شاعرانہ مذاق طبیعت پرنشاط بلکہ وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کا ذکر انہوں نے متعدد خطوط میں بھی کیا ہے۔ اور اس سے متعلق دو غزلیں بھی کہی ہیں۔ ایک غزل کا شعر ہے۔

یاد ہائے صحبت رنگیں جو جزیرہ میں رہیں
وہ جزیرہ کی زمیں تھی یا کوئی میخانہ تھا

نشہ آور تھی نگاہ مست ساقی اس قدر
خود بخود لبریز مے ہر ساغر و میخانہ تھا

دوسری غزل کا مطلع یہ ہے:

کسی کو یاں خدا کی جستجو ہوگی تو کیوں ہوگی
خیال روزہ وفکر وضو ہوگی تو کیوں ہوگی

اس کے ایک شعر میں نازلی بیگم کا ذکر اس طرح آیا ہے:

جناب نازلی بیگم کو اور نواب صاحب کو
کسی شے کی جو دل میں آرزو ہوگی تو کیوں ہوگی

علامہ شبلی کی یہ غزلیں ان کے کلیات میں شامل نہیں ہیں۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب ''نوادرات شبلی'' میں شامل کیا ہے۔(نوادرات شبلی ص:۲۱۸)

طیبہ بیگم بلگرامی

[۱۸۷۳-۱۹۲۱ء]

طیبہ بیگم بلگرامی اردو کی ایک ممتاز اہل قلم، مصنفہ اور نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کی نامور صاحبزادی تھیں۔۱۸۷۳ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم وہیں حیدرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۱۰ء میں مدراس یونیورسٹی سے بی اے پاس کیا۔ اور بقول ڈاکٹر نصیرالدین ہاشمی ''آپ ہی پہلی مسلم خاتون ہیں جنہوں نے بی اے میں کامیابی حاصل کی۔(۱) مرحوم مجتبیٰ حسین نے بھی اپنی ایک تحریر میں ان کی اس انفرادیت کا ذکر کیا ہے۔(۲)

۱۸۹۶ء میں حیدرآباد میں ان کی شادی نواب خدیو جنگ ڈاکٹر مرزا کریم خاں سے ہوئی جو سرکار آصفیہ حیدرآباد میں ناظم طبابت کے عہدہ پر فائز تھے۔ وہ ہمیشہ سماجی خدمت کے جذبہ سے سرشار رہے۔

طیبہ بیگم بلگرامی کو خواتین کی تعلیم وتربیت سے خصوصی دلچسپی رہی۔۱۹۰۲ء میں حیدرآباد لیڈیز ایسوسی ایشن قائم کی۔ حیدری کلب اور محبوبیہ گرلس کالج حیدرآباد کی بنا بھی انہیں کی ڈالی

ہوئی ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر اور مہاراشٹر کے سابق گورنر علی یاور جنگ انہیں کے صاحبزادے تھے۔

طیبہ بیگم بلگرامی ایک ممتاز اہل قلم تھیں۔ متعدد کتابیں اور دینی و ادبی مقالات ان کی یادگار ہیں۔ خواتین کی اصلاح کے لئے انہوں نے کئی سماجی ناول لکھے۔ انوری بیگم، حشمت آرا اور اسرار سلیمانی ان کے ناولوں کے نام ہیں۔ متنوع موضوعات پر علمی و ادبی موضوعات پر وہ رسائل میں مضامین بھی لکھا کرتی تھیں۔ ان کے مضامین اس عہد میں بالخصوص حلقہ خواتین میں بہت مقبول تھے۔ ان کا ایک مجموعہ ان کی صاحبزادی سکینہ بیگم نے ''رسائل طیبہ'' کے نام سے ۱۹۴۰ء میں شائع کیا جو راقم کی نظر سے گذرا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ابھی کل کی بات ہے کیسی کیسی ذی علم خواتین ہمارے درمیان تھیں۔

حوالے

(۱) خواتین دکن کی اردو خدمات ص ۲۸

(۲) میرا کالم ص ۵۰-۵۳

نواب سر سلیم اللہ خاں

[۱۸۷۴-۱۹۱۶ء]

نواب احسن اللہ خاں کے صاحبزادے نواب خواجہ سر سلیم اللہ خاں ڈھاکہ کے نواب تھے۔ آبا و اجداد اصلاً کشمیری تھے۔ ہجرت کر کے بنگال میں آ بسے تھے اور تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور زمینداریاں بھی بنائیں۔

نواب خواجہ سر سلیم اللہ خاں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ بنگال حکومت میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر فائز رہے۔ انگریزوں نے سر کا خطاب دیا تھا۔ بڑے باثر شخص تھے۔ عوام میں بھی بہت مقبول تھے۔ نہایت کم عمری میں ۱۶ر جنوری ۱۹۱۶ء کو کلکتہ میں وفات پائی۔ تدفین خاندانی قبرستان

ڈھاکہ میں ہوئی۔

۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جو اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا، اس کی صدارت نواب سرسلیم اللہ خاں نے کی تھی اور اس موقع پر انہوں نے بڑا عالمانہ صدارتی خطبہ دیا تھا جو ''خطبات عالیہ'' حصہ دوم میں محفوظ ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خطبہ سے ان کے قومی درد کے ساتھ ملی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ شبلی سے مراسم تھے، لیکن یہ مراسم کب قائم ہوئے، اس کی تحقیق نہیں ہوسکی۔

۱۹۰۶ء کے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ڈھاکہ کے ایک اجلاس میں علامہ شبلی نعمانی نے ''تاریخ اسلام'' کے موضوع پر خطبہ دیا تھا جو انہی نواب صاحب کی صدارت میں دیا گیا تھا۔ ان کے نام علامہ شبلی کا کوئی خط دستیاب نہیں ہے۔ البتہ نواب صاحب کا ایک خط علامہ شبلی کے نام محفوظ رہ گیا ہے جو ناچیز کی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شامل ہے۔

علامہ شبلی نے انہیں سالانہ اجلاس میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا تھا، نواب صاحب نے اس کے جواب میں یہ معذرت نامہ لکھا ہے۔

خواجہ حسن نظامیؒ

[۱۸۷۶-۱۹۵۵ء]

شمس العلما خواجہ حسن نظامی دہلوی صوفی منش بزرگ اور اردو کے صاحب طرز ادیب اور اہل قلم تھے۔ مختلف موضوعات پر سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان کا ماہانہ رسالہ ''منادی'' آج بھی جاری ہے۔ ایک زمانہ میں وہ دہلی کا بڑا مقبول رسالہ تھا۔ اس میں نظامی صاحب کے روزنامچے شائع ہوتے تھے۔ ان کے علامہ شبلی سے بڑے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ ان کی خواہش پر علامہ شبلی ایک ماہ دہلی میں ان کے مہمان رہے۔ خواجہ صاحب بھی علامہ کے یہاں ندوہ میں مہمان ہوا کرتے تھے۔ اس کا خود انہوں نے ذکر کیا ہے۔ علامہ شبلی کا رسالہ ''بیان خسروؒ'' اولاً

انہی نے درویشانہ ادب کے تحت اپنے حلقہ مشائخ دہلی سے شائع کیا تھا۔مگر اب وہ ایڈیشن ناپید ہے۔

ان دونوں ادیبوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ بھی برسوں قائم رہا۔خواجہ صاحب نے کئی حصوں میں ''اتالیق خطوط نویسی'' کے نام سے مسلمان مشاہیر اہل علم وادب کے خطوط شائع کئے ہیں۔اس کے حصہ دوم میں علامہ شبلی نعمانی کے ۲۰؍خطوط شامل ہیں۔ناچیز نے ان خطوط کو مکتوبات شبلی میں شامل کر دیا ہے۔ان خطوط سے دونوں کی باہمی محبت و یگانگت اور بے تکلفانہ مراسم کا اندازہ ہوتا ہے۔کئی لحاظ سے یہ خطوط بے حد دلچسپ ہیں۔ان کی آپ بیتی میں بھی علامہ کا ذکر ہے اور اسی بنا پر ناچیز نے اپنی کتاب شبلی خودنوشتوں میں تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔

مولوی احسن مارہروی

[۱۸۷۶-۱۹۴۰ء]

مولوی حافظ سید شاہ علی احسن ،احسن مارہروی اردو کے بڑے ادیب،نقاد اور شاعر تھے۔۱۸؍سال کی عمر میں داغ دہلوی[۱۸۳۱-۱۹۰۵ء] سے شرف تلمذ حاصل کیا۔اورانہی کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔

۱۸۹۳ء میں ان کا پہلا مجموعہ ریاض سخن شائع ہوا۔داغ کی وفات کے بعد ان کی سوانح عمری لکھی۔ان کے کلام کا انتخاب کیا اور خطوط بھی مرتب کیا۔کئی کتابیں مثلاً یادگار داغ،انشائے داغ،منتخب داغ دوحصہ،کلیات ولی،چپ کی داد،منثورات اردو،تحفہ احسن،شاہ کار عثمانی،ماضی و حال مدرستہ العلوم علی گڑھ وغیرہ ان کی یادگاریں ہیں۔

۱۸۹۸ء میں اپنے وطن مارہرہ سے ایک گلدستہ ریاض سخن نکالا۔بعدازاں لاہور کے زمانہ قیام میں ایک ادبی ماہنامہ ''فصیح الملک'' جاری کیا۔ماہنامہ فصیح الملک لاہور کے بعد مارہرہ اور بدایوں سے بھی شایع ہوا۔

علامہ اقبال سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ان کے ساتھ بعض مشاعروں میں بھی شرکت کی تھی۔انہی کی سفارش پر۱۹۳۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں استاذ مقرر ہوئے۔۳۰راگست۱۹۴۰ءکو مارہرہ میں وفات پائی۔

علامہ شبلی سے انہیں بڑا لگاؤ تھا۔خاص طور پر ان کی اردو نثر کے بڑے مداح تھے۔انہوں نے ''تاریخ نثر اردو بنام تاریخی نمونہ منثورات'' میں لکھا ہے کہ

> ''ان[علامہ شبلی] کی جامعیت وقابلیت محتاج تعارف نہیں،سب جانتے ہیں کہ اس وقت جس تحقیق وتنقید نے اہل قلم میں عام تقلید رو دوڑائی ہے وہ انہیں کی ذات ہے۔حدیث وفقہ،تعلیمات ومواعظ کے ہر شعبے میں وہ ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں۔لیکن تاریخ وادب میں جن حکیمانہ انکشافات اور نکتہ آرائیوں سے اس فن کو استقلال بخشا ہے اس خصوص میں ان سے پہلے اور نیز ابتک کوئی ان کا حریف نظر نہیں آتا۔ان کی تحریروں میں لطیف رنگینیوں اور جاذب روح دل کشیوں کے ساتھ جو صفائی وسادگی موجود ہے وہ روش ان کے بعد تمام اہل قلم کے لئے موجب افتخار ہے۔تبصرہ وتحقیقات کو جس انداز خصوصی کے ساتھ انہوں نے ملک میں مروج کیا ہے،اس کی پیروی کے لئے اچھے سے اچھا انشاپرداز بھی متمنی نظر آتا ہے۔اپنے ہر بیان کو وہ بہت توضیح سے بیان کرنے کے عادی ہیں۔جس کی وجہ سے کہیں کہیں تکرار مضامین کی نوبت آجاتی ہے۔لیکن اس قسم کے مکررات سے بادی النظر میں سہو ونسیان کے سوا کوئی نقصان معلوم نہیں ہوتا۔سرسید ان کے انداز کو پسند کرتے اور کہا کرتے تھے کہ تم تو دہلی ولکھنو دونوں کے لئے باعث رشک ہو۔اس واقعہ بیانی کا یہ ثبوت ملتا ہے کہ آج جتنے مشاہیر معاصرین ادب ہیں وہ اس معلم ادب کے ہم سبق یا ہم روش یا مقلد نظر آتے ہیں۔''
>
> (تاریخ نثر اردو بنام تاریخی نمونہ منثورات،حصہ اول،ص:۳۵۱-۳۵۲)

احسن مارہروی نے اپنی مذکورہ تالیف میں اردو نثر میں مکتوب نگاری کے نمونوں کے تحت متعدد مشاہیر کے مکتوبات نقل کیے ہیں۔ انہی میں خود ان کے نام علامہ شبلی نعمانی کا حسب ذیل مکتوب شامل ہے۔

جناب من!

مجھ کو معلوم نہ تھا کہ آپ شعر العجم کے قدر دان ہوں گے۔ میری تصنیفات میں یہ سب سے نامقبول تر ہے اس لیے بدگمانی کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔ آج آپ نے شوق ظاہر کیا تو ہدیۂ خدمت ہے۔ الندوہ نہایت غریب پرچہ ہے۔ کل [دو روپیہ] قیمت، اشاعت کچھ نہیں، محرر کی تنخواہ نہیں نکلتی، اس لیے نئے مبادلے بالکل بند ہیں۔ نصاب وغیرہ الگ چھپے ہیں۔ لکھیے گا تو بھیج دوں گا۔

ہوس پرستان اردو پر ہنسی آتی ہے۔ اصلاح و معیار، اور کیا کیا، یہ لوگ اس قدر نہیں سمجھتے کہ کیا کام ہے اور کس کے کرنے کا ہے۔ غزل اور غزل نما نثر کی دو چار سطروں کے لکھنے کو یہ زبان کی بادشاہی سمجھتے ہیں، لیکن کیا کیا جائے، خر بازاری ہے۔ جو شخص جو چاہتا ہے، کہتا ہے۔ کون کس کی زبان کو روکے۔ .... بدست کودکان افتادہ است

شبلی

۲۷رجنوری ۱۹۱۰ء

(تاریخ نثر اردو بنام تاریخی نمونہ منثورات، حصہ اول، ص:۵۷۳)

۱۹۱۴ء میں ڈیڑھ ماہ کے اندر حالی و شبلی نے وفات پائی تو انہوں نے علامہ اقبال ہی کی طرح دونوں بزرگوں کا مشترکہ مرثیہ کسوف الشمسین کے عنوان سے لکھا اور نظامی پریس بدایوں سے ۱۹۱۵ء میں شائع کرایا۔ علامہ شبلی پر جو مراثی شائع ہوئے ہیں ان میں یہ سب سے طویل مرثیہ ہے۔

علامہ سر محمد اقبال

[۱۸۷۷-۱۹۳۸ء]

علامہ شبلی اور علامہ اقبال دونوں ملت اسلامیہ کے نامور فرزند تھے اور دونوں میں بڑے گہرے تعلقات تھے۔ ملاقات اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں کے سوانح نگاروں نے تفصیل سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ دونوں میں پہلی ملاقات انجمن حمایت اسلام لاہور کے ۱۹۰۳ء میں جلسے میں ہوئی تھی۔(۱) اس اجلاس میں دونوں شریک ہوئے تھے۔ غالباً اسی موقع پر علامہ اقبال نے اپنی پہلی کتاب ''علم الاقتصاد'' کے ایک حصہ پر علامہ شبلی سے اصلاح لی۔ یہ کتاب ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کے دیباچہ میں علامہ اقبال نے خود اس بات کی صراحت کی ہے کہ اس کے ایک حصہ کی زبان و بیان کی اصلاح علامہ شبلی نے کی ہے۔(۲)

علامہ شبلی نعمانی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری منتخب ہوئے تو اس سے علامہ اقبال کو وابستہ کیا۔ انہیں انجمن سے اشاعت کے لئے کتابوں کے انتخاب اور تراجم کی تنقیح کرنے والوں میں شامل کیا۔(۳) چنانچہ کئی مسودات طباعت کے لئے ان کے رائے پر منظور یا نامنظور ہوئے۔

۱۹۰۸ء میں شدھی تحریک کے زیر اثر ارتداد کا فتنہ اٹھا تو اس کی سرکوبی کے لئے علامہ شبلی اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں اترے۔ مختلف مقامات کا دورہ کیا اور پاؤں کی معذوری کے باوجود متعدد سفر کئے۔ اس موقع پر حفاظت و اشاعت اسلام کے لئے اسی نام سے ایک تنظیم کا منصوبہ بنایا اور اس کا ایک خاکہ تیار کر کے چھپوایا اور تقسیم کرایا۔ اسے جن لوگوں کے پاس بھیجا تھا اس میں ایک اہم نام علامہ اقبال کا بھی ہے، بلکہ ان کا نام ان لوگوں میں شامل ہے جنھوں نے اس سے اتفاق کیا اور ہر قسم کی شرکت پر آمادگی ظاہر کی۔

اسی طرح مسلمانوں کے نئے حالات، تقاضے اور نئی ضروریات کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کے جدید و قدیم گروہ کے افراد پر مشتمل علامہ شبلی نے ایک مجلس جدید علم کلام بنائی تھی۔ اس میں جدید دانشوروں کے طبقہ سے علامہ اقبال کو بھی شامل کیا تھا۔ ان کی خواہش پر علامہ

اقبال نے اس مجلس کی رکنیت قبول کر لی تھی جس پر علامہ شبلی نے اپنی خوشی کا بھی اظہار کیا۔(۴)

تحریک وقف علی الاولاد کی کامیابی کے لئے علامہ شبلی نے جو جد و جہد کی اس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔علامہ شبلی نے جب گورنر سے مل کر اپنا موقف پیش کرنا چاہا اور اس کے لئے ایک وفد ترتیب دیا تو اس وفد میں بھی علامہ اقبال کو رکن نامزد کیا۔البتہ علامہ اقبال اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے اور ان کی جگہ کسی اور نے شرکت کی۔

غرض علامہ شبلی نے ہر جگہ علامہ اقبال کو ساتھ لے کر چلنا چاہا اور ان سے شمولیت کی درخواست کی اور اس سلسلہ میں خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔گو علامہ شبلی کا کوئی خط علامہ اقبال کے نام دستیاب نہیں ہے، لیکن علامہ اقبال کا ایک خط ضرور ان کے ذخیرہ خطوط میں محفوظ ہے۔(۵)

علامہ اقبال بھی علامہ شبلی کے بڑے قدر داں اور ان کے اوصاف و کمالات کے بڑے مداح تھے۔انہوں نے اولاً کوشش کی کہ علامہ شبلی کو مستقل طور پر پنجاب بلا لیں تا کہ ان کے علم و فضل سے اہل پنجاب مستقل مستفید ہو سکیں۔مگر بقول علامہ اقبال مسلمان امرا کی کم ذوقی کے سبب یہ کوشش بار آور نہ ہو سکی۔(۶)

علامہ اقبال نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں علامہ شبلی کی سلسلہ کلامیہ کی کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔اس طرح تصانیف شبلی سے پہلی بار انگریزی خواں طبقہ انہی کے ذریعہ واقف ہوا۔اسی طرح شعر العجم اور سیرۃ النبی ان کی پسندیدہ کتابوں میں تھیں۔سیرۃ النبی کے بارے میں لکھا ہے کہ

> ''مولانا مرحوم کا یہ مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے۔اس کا صلہ انہیں دربار نبویؐ سے ملے گا۔''(۷)

۱۹۱۱ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دہلی اجلاس میں دونوں بزرگوں نے شرکت کی۔اس موقع پر ایجوکیشنل کانفرنس نے علامہ اقبال کو علامہ شبلی کے ہاتھوں 'ترجمان حقیقت' کا خطاب دیا۔چنانچہ علامہ شبلی نے انہیں ہار پہنایا اور اپنے مختصر خطاب میں اس خطاب کی اہمیت بتائی۔اسی موقع پر علامہ شبلی نے علامہ اقبال کو دوسرے مرزا غالب ہونے کی بشارت سنائی تھی۔(۸)

۱۸/نومبر۱۹۱۴ءکواعظم گڑھ میں علامہ شبلی نعمانی نے وفات پائی تو علامہ سرمحمد اقبال نے ''حالی وشبلی'' کے عنوان سے ایک نظم لکھ کرانہیں خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ نظم ''بانگ درا'' میں شامل ہے۔اسی طرح علامہ اقبال کے متروک کلام میں ایک مصرعہ ہے،جس میں علامہ اقبال نے علامہ شبلی نعمانی کی تاریخ وفات کہی ہے۔وہ مصرعہ یہ ہے:

اما الہند والا نژاد شبلی طاب ثراہ

۱۳۳۲ھ(۹)

واقعہ یہ ہے کہ علامہ شبلی ان کے نزدیک امام الہند تھے۔

حواشی

(۱) نقوش شبلی ص۱۴۴-۱۴۵

(۲) دیباچہ علم الاقتصاد ص۳،طبع دوم

(۳) باقیات شبلی ص۸۷

(۴) مقالات شبلی ج۸ص۶۲-۶۳

(۵) کلیات مکاتیب اقبال حصہ اول ص۲۳۹

(۶) مشاہیر کے خطوط ص۹۶

(۷) مشاہیر کے خطوط،ص۹۹

(۸) اقبال اور پیروی شبلی ص۴۲

(۹) اقبال کا متروک کلام ص۵۱۵،صابر کلوروی،اقبال اکیڈمی لاہور

ریاض حسن خاں خیاؔل

[۱۸۷۷-۱۹۵۳ء]

مولوی ریاض حسن خاں خیاؔل رئیس رسول پور ضلع مظفر پور[بہار] اردو و فارسی کے پختہ

مشق ادیب اور قادرالکلام شاعر تھے۔علامہ شبلی سے گہرے اور گونا گوں مراسم وتعلقات تھے۔ ایک بار علامہ شبلی بیمار ہوئے اور شبلی منزل اعظم گڑھ میں قیام رہا تو وہ اوران کے بھائی مولوی اعجازحسن خاں رئیس رسول پور عیادت کے لئے اعظم گڑھ آئے اور شبلی منزل میں ٹھہرے۔

علامہ شبلی جنوری ۱۹۰۷ء میں ایجوکیشنل کانفرنس ڈھاکہ میں شرکت سے واپس آتے ہوئے رسول پور میں ٹھہرے اوران کے مہمان ہوئے۔اس سفر کی روداد علامہ شبلی کے سحر طراز قلم سے ملاحظہ ہو۔وہ لکھتے ہیں:

''مولوی ریاض حسن رئیس مظفر پور بہار کے قدیم مخلص عنایت فرما اور قومی ضرورتوں کے نبض شناس ہیں۔جنوری ۱۹۰۷ء میں ڈھاکہ سے واپس ہوتے ہوئے ہم کومظفر پور ٹھہرنے کا موقع ملا۔مسٹر محبوب حسن صاحب بیرسٹرایٹ لا جومولوی ریاض حسن خاں صاحب کے چچا ہیں،ان کے دولت خانہ پر قیام ہوا۔بیرسٹر صاحب باوجود تعلیم جدید اور سفر ولایت کے عقائد مذہبی اور شعائر اسلامی میں اس قدر سخت ہیں کہ ان پر ملائے متعصب ہونے کا دھوکا ہوتا تھا۔ یہاں جن اور تعلیم یافتہ لوگوں سے ملاقات ہوئی سب اسی رنگ میں نظر آئے، چونکہ اس سفر میں مجھ کوندوہ کی تقریب بھی پیش نظر تھی اس لئے مولوی ریاض حسن صاحب اوران کے بھائی اعجازحسن صاحب نے جلسہ کا اہتمام کیا۔ کثرت سے لوگ شریک ہوئے۔میں نے اسلام کی حقیقت اوراس کے ضمن میں ندوہ کی ضرورت پر ایک مفصل تقریر کی۔(حیات شبلی ص ۲۵۶)

علامہ شبلی نعمانی جب انجمن کے سکریٹری تھے، انہوں نے انجمن ترقی اردو کے لئے ''نامہ دانشوراں'' کا ترجمہ کیا، جسے اراکین انجمن کے بار بار کے تقاضہ کے باوجود انجمن شائع نہ کرسکی۔اوراس کا مسودہ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے زمانہ میں غائب ہوگیا۔

علامہ شبلی اور خیالؔ کے درمیان عرصہ تک خط وکتابت کا سلسلہ قائم رہا۔اس کا آغاز اگست ۱۸۹۹ء میں ہوا تھا اور علامہ شبلی کی وفات سے چند ماہ قبل فروری ۱۹۱۴ء تک قائم رہا۔

مکاتیب شبلی حصہ دوم میں ان کے نام علامہ شبلی کے ۲۳ خطوط شامل ہیں۔ مولوی ریاض حسن خاں خیالؔ کو ''الانتقاد'' کا سبب تالیف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جرجی زیدان کے صرف ایک حصہ کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے۔ مارگولیوتھ نے کیا ہے جو اسلام کا سخت دشمن ہے اور درحقیقت اسی انگریزی ترجمہ نے مجھ کو رد لکھنے پر آمادہ کیا۔'' (مکاتیب شبلی حصہ دوم ص ۱۹۰)

مولانا محمد علی جوہرؔ

[۱۸۷۸-۱۹۳۱ء]

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؔ علامہ شبلی نعمانی کے شاگرد، ادیب، شاعر، خطیب، سیاست داں اور عظیم محبّ وطن تھے۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ کالج اور آکسفورڈ لندن میں تعلیم حاصل کی۔ دہلی سے انگریزی ہفت روزہ کامریڈ اور ہمدرد جاری کیا۔ تحریک خلافت دراصل علی برادران کا دوسرا نام ہے۔ کانگریس کے حامی تھے۔ اور اس کے پروگراموں میں سرگرم حصہ لیا۔ انگریزوں کے خلاف مضامین لکھنے اور ان کی مخالفت کرنے کی پاداش میں نظر بند کئے گئے۔ اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ انہوں نے عدم تعاون تحریک کے لئے علی گڑھ کالج کے طلبہ کو ہم خیال بنا کر کالج سے علاحدہ ہونے کے لئے تیار کیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے ہی یہ اعلان کیا کہ برطانوی حکومت کی نوکری حرام ہے۔ اس طرح انہوں نے انگریزی حکومت کو چیلنج کیا جس کے نتیجہ میں انہیں گرفتار کرلیا گیا۔

انہوں نے سائمن کمیشن کی بھی زبردست مخالفت کی۔ چار سال نظر بند رہے۔ ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس میں شریک ہو کر انگریزوں کے سامنے عہد کیا کہ

> ''میں اپنے ملک واپس نہیں جاؤں گا یا تو ہندوستان کو ڈومنین اسٹیٹس دو ورنہ میرے لئے ایک قبر کھود دو میں غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔''

لندن ہی میں ۴رجنوری ۱۹۳۱ءکو وفات پائی۔ان کی نماز جنازہ مصر میں پڑھی گئی اور تدفین بیت المقدس میں ہوئی۔علامہ شبلی کے خاص شاگردوں میں تھے اورانہیں اپنے استاذ پرفخر تھا۔وہ اس کا ذکر بھی کرتے رہتے تھے۔اپنی خودنوشت میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔(۱)

علامہ شبلی کے سیاسی خیالات بالخصوص اتحاداسلامی کے جذبات کوجن لوگوں نے پروان چڑھایا، عام ترقی دی،ان میں مولانا ظفرعلی خاں اورمولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ ایک اہم نام مجاہدآزادی مولانا محمدعلی جوہرؔ کا بھی ہے۔

وقتاً فوقتاً استاداورشاگرد کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ بھی قائم ہوامگروہ خطوط کہیں محفوظ نہیں رہے۔علامہ شبلی کا محض ایک مفصل خط مکتوبات شبلی میں شامل ہے۔(۲)اس خط میں مدینہ یونیورسٹی کے نظام ونصاب پرگفتگو ہوئی ہے۔(۳)کم لوگوں کومعلوم ہوگا کہ علامہ شبلی کو مدینہ یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کا رکن نامزد کیا گیا تھا۔

حوالے

(۱) مولانا محمدعلی جوہر بحیثیت تاریخ اورتاریخ ساز کے،ص ۷۷-۷۸

(۲) مکتوبات شبلی طبع جدید ص۲۵۴ تا ۲۵۶

(۳) ایضاً

مشیر حسین قدوائی

[۱۸۷۸-۱۹۳۷ء]

مشیرحسن قدوائی رئیس گدیہ ضلع بارہ بنکی کا شمار بڑے باشعور ہوش مند مسلمان رئیسوں میں ہوتا ہے۔تعلیم نسواں سے انہیں بڑی دلچسپی تھی۔ایک رسالہ ''تعلیم نسواں'' کے نام سے لکھا تھا۔اس کے علاوہ نالہ مشیر، نامہ مشیراورسقراط مسیح ان کی قلمی یادگاریں ہیں۔

علامہ شبلی کی ان سے بھی خط وکتابت ہوئی۔علامہ شبلی نے ان کے پاس جب انجمن

وقف علی الاولاد کے کاغذات بھیجے تو انھوں نے جواب لکھا کہ

''جناب محترم مولانا شبلی صاحب تسلیم!

آپ کا والا نامہ آج مع کاغذات وقف ملا۔ مضمون کو میں اودھ اخبار میں قبل ہی دیکھ چکا تھا۔ میں تینوں طرح سے مدد دینے کو تیار ہوں۔ جو مشورہ میں دے سکوں گا اس میں کوتاہی نہ کروں گا۔ چندے کے طور پر میں انگریزی رسالہ کی چھپوائی وغیرہ میں مدد دوں گا اور ترتیب و ترجمہ کو اپنے ذمہ لوں گا۔ یہاں گورنمنٹ میں افکار ہو رہے ہیں اور کامیابی کی صورت بھی اختیار کر رہے ہیں۔

مشیر حسین قدوائی

۳۱ر جنوری ۱۹۰۸ء

(ضمیمہ کارروائی وقف علی الاولاد ص ۲۰)

فاطمہ خانم

[م: ۱۹۰۹ء]

فاطمہ خانم علامہ شبلی نعمانی کی چھوٹی صاحبزادی تھیں اور علامہ کی پہلی بیوی مجیدن بی بی [م: ۱۸۹۵ء] کے بطن سے تھیں۔ تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔ البتہ تعلیم یافتہ تھیں۔ عطیہ فیضی کے خطوط علامہ شبلی انہیں کو دکھایا کرتے تھے۔ اور اپنی دوسری بیوی کی تعلیم کے لئے علامہ شبلی نے انہیں کو مقرر کیا تھا۔ صاحب اولاد تھیں۔ حافظ عرفان صاحب انہیں کے بیٹے تھے۔ وسیم احمد مرحوم سابق وزیر تعلیم حکومت اتر پردیش ان کے نواسے تھے۔ تپ دق کے مرض میں مبتلا ہوئیں۔ بہت علاج و معالجہ ہوا مگر جاں بر نہ ہو سکیں اور اسی مرض میں نومبر یا دسمبر ۱۹۰۹ء میں انتقال کیا۔ موضع بندول میں خاص خانوادہ شبلی کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ ان کی قبر پر کتبہ بھی لگا ہوا تھا۔ ان کی

قبر سے متصل ان کی بڑی بہن رابعہ بنت شبلی نعمانی کی قبر ہے جن کا ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوا تھا۔ وہ بھی صاحب اولاد تھیں۔ علامہ شبلی نے ندوہ کی معتمدی کے زمانہ میں لکھنؤ میں کچھ دنوں تک ان کے صاحبزادے یعنی اپنے نواسے کو بھی ساتھ رکھا تھا۔ فاطمہ خانم سے علامہ شبلی کو تعلق خاطر تھا۔ ان کی بیماری کے زمانہ میں ان کے لئے برابر فکر مند رہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''عزیزی میری اولاد میں جس کو مجھ سے پدری محبت ہے صرف تمہیں ہو۔ اس لئے تم سمجھتی ہو کہ مجھ کو کس قدر تمہاری بیماری کا رنج ہے۔ اس وقت لکھنؤ سے بہت دور ہوں ورنہ فوراً پہنچتا۔ خدا نے چاہا تو لکھنؤ پہونچ کر سب سے پہلے بندول آؤں گا۔''(۱)

اعظم گڑھ میں اچھا علاج نہ ہونے کے سبب انہیں لکھنؤ بلایا اور اپنے پاس رکھ کر علاج کرایا۔ مگر وہ صحت یاب نہ ہوسکیں۔ ان کے انتقال پر علامہ بہت روئے۔

فاطمہ خانم کے نام علامہ شبلی نعمانی کے محض تین خطوط مکاتیب شبلی میں شامل ہیں۔ (۲) ان میں ان کی بیماری اور علاج ہی کا ذکر ہے۔

حوالے

(۱) مکاتیب شبلی حصہ اول، ص ۳۳۱

(۲) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۳۳۰-۳۳۱

عطیہ بیگم فیضی

[۱۸۷۷-۱۹۶۴ء]

عطیہ بیگم فیضی ہندوستان کی پہلی مسلم خاتون تھیں جو جدید تعلیم کے لئے ۱۹۰۷ء میں یورپ گئیں۔ وہاں سے نظام تعلیم کے مطالعے کے لئے جرمنی گئیں جہاں علامہ اقبال سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔

عطیہ فیضی بڑی باصلاحیت خاتون تھیں۔تقریروتحریر،تہذیب وثقافت،مجلس آرائی اور شائستہ وشگفتہ گفتگو کےفن سے وہ بخوبی آشنا تھیں۔وہ اردواورانگریزی پرعبور رکھتی تھیں۔انہوں نے ان زبانوں میں کئی کتابیں لکھیں۔ان کےمتعدداردومضامین اس دور کےخواتین کے رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔انہوں نے ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا۔

وہ ترکی میں پیداہوئیں۔ہندوستان اور یورپ میں تعلیم پائی،اس لئے ان میں بڑی روشن خیالی اور بیبا کی تھی۔علامہ شبلی کے ان کے والدحسن علی آفندی سے ترکی میں مراسم قائم ہوئے۔مئی ۱۹۰۷ء میں علامہ شبلی کے پاؤں کا حادثہ پیش آیا اور وہ پاؤں بنوانے کے لئے بمبئی گئے تو زہرا بیگم اورعطیہ فیضی کو بلوایا اوران سے ملاقات کی۔اس ملاقات کا ذکرعطیہ فیضی نے علامہ شبلی پر اپنے مضمون میں کیا ہے۔پھران دونوں میں خط وکتابت کا سلسلہ قائم ہوا جوآخیر تک قائم رہا۔عطیہ فیضی کے نام علامہ شبلی کا آخری خط ۱۹۱۳ء کا ہے۔عطیہ کے نام علامہ شبلی کے کل ۵۵؍خطوط محمدامین زبیری نے''خطوط شبلی''میں شائع کئے ہیں۔عطیہ نے جوخطوط علامہ شبلی کو لکھے تھے وہ کہیں دستیاب نہیں تھے۔البتہ فیض الرحمٰن اعظمی کوکہیں سے علامہ شبلی کی بیاض ہاتھ آ گئی تھی جس کی تفصیل انہوں نےنہیں لکھی ہے۔اس میں انہیں عطیہ فیضی کے دوغیرمطبوعہ خطوط ملے۔ان خطوط پر فیض الرحمٰن اعظمی نے ماہنامہ آج کل دہلی [ستمبر۱۹۶۳ء] میں ایک مضمون ''عطیہ کے خطوط موسومہ شبلی نعمانی'' لکھا ہے۔یہ دونوں خطوط ناچیز نے اپنی کتاب''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط''میں نقل کردئے ہیں۔ان خطوط کے جوابات''خطوط شبلی''میں موجود ہیں۔خطوط شبلی بنام عطیہ فیضی پر بڑی حاشیہ آرائی ہوچکی ہےمگران دونوں خطوط سے خط وکتابت کی سنجیدگی اورمتانت صاف دکھائی دیتی ہے۔ان میں خلوص ومحبت کی بوضرورمحسوس ہوتی ہے، مگراس خلوص ومحبت کی بونہیں جو بابائے اردو نے سونگھی تھی۔

خطوط جن کاتفصیلی جائزہ ہم اپنی کتاب آثارشبلی میں پیش کرچکے ہیں اپنے مشمولات کے لحاظ سے بےحداہم ہیں۔انہی سےخواتین کے بارے میں علامہ شبلی کے خیالات ونظریات سامنےآتے ہیں۔ان خطوط کی دوسری بڑی خوبی ان کااسلوب نگارش ہے۔نہایت شستہ وشگفتہ

زبان استعمال ہوئی ہے، بلکہ ان میں ادب وانشا کی لالہ کاری صاف دکھائی دیتی ہے۔ خواتین کے نصاب تعلیم کے بارے میں علامہ شبلی عطیہ فیضی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''نصاب تعلیم کے متعلق میں سرے سے اس کا مخالف ہوں کہ عورتوں کے لئے الگ نصاب ہو یہ ایک اصولی غلطی ہے جس میں یورپ بھی مبتلا ہو رہا ہے۔ کوشش ہونی چاہئے کہ ان دونوں صنفوں میں جو فاصلہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ کم ہوتا جائے نہ کہ اور بڑھتا جائے اور بات چیت رفتار گفتار، نشست و برخاستء مذاق زبان سب الگ ہو جائیں یونہی تفرقہ بڑھتا رہا تو دونوں مختلف نوع ہو جائیں گے۔ امریکا کی ایک لیڈی نے اس پر ایک عمدہ کتاب لکھی ہے شاید تمہاری نظر سے گذری ہو۔ البتہ بعض چیزیں مثلاً رضاعت، پرورش اولاد وغیرہ مضامین عورتوں کے نصاب میں اضافہ ہونے چاہئیں۔ اس حالت میں اردو کا پورا لٹریچر جو کچھ کم نہیں ہے۔ عورتوں کے قابو میں آجائے گا۔ سرسید، حالی، آزاد اور تمہارے حقیر دوست کی تصنیفات ناقدری کے قابل نہیں۔''(۱)

خواتین کی حیثیت اوران کی دیو پیکری کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''عورتوں کی دیو پیکری پر تم نے اس قدر طولانی تحریر لکھی لیکن میری رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ تو مسلم ہے کہ صحت کے لئے تندرستی کے لئے جسم کی موزونی کے لئے جامہ زیبی کے لئے مردانہ ورزشیں مفید ہیں، جو کچھ بحث ہے یہ ہے کہ عورتوں کے زنانہ حسن میں فرق آتا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس سے جمال اور دوبالا ہو جاتا ہے یہ صرف میری رائے نہیں بڑے بڑے اہل نظر کا یہی فیصلہ ہے۔''(۲)

''امین الرشید (ہارون الرشید کا بیٹا) کی تمام کنیزیں مردانہ کپڑے پہنتی تھیں اور ہتھیار لگاتی تھیں۔ تیموریوں کے ہاں حرم کا چوکی پہرہ ترکی

عورتوں سے متعلق تھا جو مردانہ ہتھیار لگاتی تھیں۔ آج بھی حیدرآباد میں زنانہ پلٹن ہیں جو محلات میں پہرہ دیتی ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک عورتیں نازک بنی رہیں گی، مردان کو پورے حقوق نہ دیں گے۔"(۳)

حوالے

(۱) خطوط شبلی ص ۴۶-۴۷

(۲) خطوط شبلی ص ۵۵

(۳) خطوط شبلی ص ۵۶

سر آغا خان

[۱۸۷۷-۱۹۵۷ء]

آغا خان سوم، سر سلطان محمد شاہ اسماعلیہ فرقہ کے امام اور بڑے بااثر شخص تھے۔ اپنے فرقہ کی ستر سال تک امامت کی۔ ان کا شمار اپنے عہد کے ممتاز ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ ۲ نومبر ۱۸۷۷ء کو بمقام ٹیکری کراچی میں پیدا ہوئے۔ گھر پر انگریزی، فرانسیسی اور عربی و فارسی کی تعلیم پائی اور ان زبانوں میں مہارت پیدا کی۔ اپنے والد آغا علی شاہ کے بعد ۱۸۸۵ء میں اسماعلیہ فرقہ کے امام مقرر ہوئے۔ یہ انگریزوں کے بڑے وفادار تھے، تاہم مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کا بھی ہمیشہ خیال رکھا اور اس کے لئے جدوجہد کی۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک مسلم لیگ کے صدر رہے، تاہم ہندو مسلم اتحاد کے بھی علمبردار رہے۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس اور ۱۹۳۷ء میں جمیعۃ اقوام میں ہندوستان کی نمائندگی بھی کی۔ جن لوگوں نے ایم، اے، او، کالج علی گڑھ کو پروان چڑھایا اور یونیورسٹی بنایا ان میں سب سے نمایاں نام انہیں کا ہے۔ آغا خاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک پرووائس چانسلر بھی رہے۔ ۱۹۵۷ء میں جنیوا میں انتقال کیا۔ ان کی تدفین اسوان مصر میں ہوئی۔

علامہ شبلی نعمانی سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ وہ علامہ شبلی کو مائی ڈیر شبلی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ خاص طور پر جس زمانہ میں وہ مسلم یونیورسٹی کے لئے جدوجہد کررہے تھے علامہ شبلی بھی اس جدوجہد میں شامل تھے۔ علامہ شبلی نعمانی اس کے رکن تھے۔ یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے متعدد اجلاس جو لکھنؤ میں منعقد ہوئے اس میں وہ بڑے اہتمام سے شریک ہوئے۔ وزیر تعلیم سے ملاقات کے لئے جو وفد شملہ گیا تھا، علامہ شبلی اس وفد میں بھی شریک تھے۔

علامہ شبلی اس زمانہ میں ندوہ کے معتمد تعلیم تھے۔ اور اس کی نئی عمارت کی تعمیر اور ندوہ کی ترقی کے لئے سخت جدوجہد کررہے تھے۔ ان کی خواہش ہوئی کہ سر آغا خاں کو ندوہ دیکھنے کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ سر آغا خاں سے مل کر منظوری لی گئی اور وہ ندوہ کے ملاحظہ کے لئے بڑے اہتمام سے ۳ر فروری ۱۹۱۰ء کو آئے۔ مولانا مسعود علی ندوی [۱۸۸٦-۱۹٦۷ء] کے حسن انتظام نے جلسے کا حسن دوبالا کردیا تھا۔ اس موقع پر سر آغا خاں نے فارسی میں بڑی فصیح و بلیغ اور برجستہ تقریر کی اور ندوہ کو پانچ سو روپئے کی امداد کا اعلان کیا۔ ان کے نام مولانا شبلی کا جو خط مکاتیب شبلی حصہ دوم میں شامل ہے وہ اسی زمانہ کا ہے۔ علامہ شبلی کے نام سر آغا خاں کا بھی ایک مکتوب روداد ندوہ میں شائع ہوا ہے۔

بعد میں علامہ شبلی سے تعلقات اچھے نہیں رہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ علامہ شبلی کو ترکوں سے بے انتہا تعلق تھا اور برطانیہ بار بار بلقانی ریاستوں کی سیاسی مدد کرتا تھا۔ اور مسلمان حکومت سے بارہا مطالبہ کرچکے تھے کہ وہ ان ریاستوں کی سیاسی مدد بند کرے مگر وہ باز نہیں آتا تھا۔ اسی زمانہ میں سر آغا خاں نے ایک مضمون لکھا جس میں ترکوں کو یہ مشورہ دیا کہ ان کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ وہ یورپ چھوڑ کر ایشیا میں جا بسیں تا کہ وہ دول یورپ کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ اس مضمون کی وجہ سے مسلمانوں میں بڑا غم و غصہ پیدا ہوا۔ کیونکہ بقول مولانا سید سلیمان ندوی ''اس سے ان کے عالم گیر سیاسی وقار کو بہت صدمہ پہنچا تھا۔'' (۱) ان کے اس بیان پر رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر [۱۸۷۸-۱۹۳۱ء] بھی سخت برہم ہوئے اور اپنے اخبار کامریڈ میں بہت سخت جواب دیا:

''ترک مرد ہیں، وہ گھوڑے پر مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ترک عورت نہیں ہیں جو گھوڑے پر ایک طرف کو ٹانگیں لٹکا کر بیٹھتی ہیں۔اس لئے اگر ترکوں کا ایک پاؤں یورپ میں ہوگا تو دوسرا ایشیا میں۔''(۲)

علامہ شبلی نے اپنی نظموں میں سر آغا خاں کے ترکوں سے متعلق بیان کا بڑا طنز آمیز جواب دیا ہے۔ان کی ایک نظم فارسی میں ہےاور دوسری اردو میں۔یہ دونوں نظمیں ''کلیات شبلی'' اردو میں شامل ہیں۔

حوالے

(۱) حیات شبلی ۵۵۷

(۲) بحوالہ عظمت رفتہ۔ص ۳۸۸

سید احمد مرتضیٰ نظرؔ

[۱۲۹۶ھ-۱۳۶۱ھ،۱۹۴۲ء]

سید احمد مرتضیٰ نظرؔ سر رشتہ دار ریاست ٹونک اردو و فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ان کا مجموعہ کلام ''تجلیات نظر'' اب تک شایع نہیں ہوسکا ہے۔جس کا مسودہ ان کے نواسے پروفیسر مختار شمیم مرحوم (سیرونج،بھوپال) کے پاس محفوظ تھا۔

سید احمد مرتضیٰ نظر صاحب کے آبا واجداد اصلاً نصیر آباد کے رہنے والے تھے،لیکن نظرؔ صاحب ۱۲۹۶ھ میں ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔سیرونج، مالوہ (جواب ریاست مدھیہ پردیش کے دارالحکومت بھوپال کا حصہ ہے۔) کے رہنے والے اور بڑے عالم وفاضل شخص تھے۔ انہوں نے اگرچہ وکالت کا پیشہ اختیار کیا،تاہم وہ اردو وفارسی دونوں زبانوں میں دادسخن دیتے رہے۔ان کا مجموعہ کلام میں مثنوی،مرثیہ،قصیدہ،غزلیات اور قطعات و رباعیات وغیرہ مختلف اصناف سخن شامل ہیں۔انہیں قطعہ تاریخ کہنے میں مہارت حاصل تھی۔خاص طور پر مساجد کے

قطعات تاریخ کہنے میں خاصی دلچسپی لیتے تھے۔ ان کے مجموعہ کلام میں بقول پروفیسر مختار شمیم ''متعدد مساجد کے کتبات شامل ہیں۔''

مولوی سید احمد مرتضیٰ نظرؔ ایک صاحب نظر اور باشعور مصنف و مورخ تھے۔ ان کے قلم سے تاریخ کی دو انتہائی اہم کتابیں ''آثار مالوہ'' (مطبوعہ خواجہ برقی پریس دہلی، ۱۳۴۳ھ) اور ''صولت شیر شاہی'' (مطبوعہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ، ۱۹۳۴ء) نکلیں اور اہل علم کے حلقے میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ صولت شیر شاہی مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی خواہش پر لکھی تھی اور انہیں کی زیر نگرانی علی گڑھ سے شائع ہوئی۔ مولانا سید ریاست علی ندویؒ [۱۹۰۴-۱۹۷۶ء] سابق رفیق دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے اس پر ماہنامہ معارف [نومبر ۱۹۳۴ء] میں تبصرہ کیا ہے۔ ان کی وفات [۱۹۴۲ء] کے بعد اور آزادی [۱۵/اگست ۱۹۴۷ء] سے پہلے ان کے بعض احباب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ذہین طلبہ کو ان سے منسوب ''سید احمد نظر ایوارڈ'' دیتے تھے۔

علامہ شبلی سے ان کے مراسم تھے اور خط و کتابت بھی رہی۔ ان کے نام علامہ شبلی کے دو خطوط مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل ہیں۔ (۱) البتہ مولانا سید سلیمان ندوی نے مکاتیب شبلی میں ان کا تخلص نظرؔ کے بجائے ''نذر'' لکھا ہے جو یقیناً سہو کتابت ہے۔

مولانا شبلی کے پہلے خط سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے شعرالعجم کی تحسین و ستائش کے ساتھ ایک تسامح کی نشاندی کی تھی اور علامہ شبلی سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ شعرالعجم میں شعرا کا انتخاب کس بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ

جناب من! السلام علیکم

قدردانی کا شکریہ

۱۔ رباعی میں غلطی ہوگئی۔ وجہ یہ ہے کہ دولت شاہ اور چہار مقالہ میں اسی طرح اختلاف ہے اور میں نے غلطی سے ایک جگہ ایک کی اور دوسری جگہ دوسری کی روایت لے لی۔

۲۔ میرے انتخاب کا اصول یہ ہے کہ فردوسی کے زمانہ سے لے کر اخیر تک انہی کو لیا ہے جو ایک طرز خاص رکھتے ہیں۔ جامی کا کوئی خاص طرز نہیں۔ خاقانی کا انداز سب سے الگ ہے۔ لیکن میں اس کو شاعری نہیں سمجھتا بلکہ لفاظی اور تلمیحات کی بھرتی ہے۔ قاآنی یوں رہ گئے کہ میں نے دوسو برس ادھر کا زمانہ ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ بہر حال ایک اور جلد باقی ہے کہ دوسروں کے لئے بھی کام کرنے کا موقع ہے۔ چوتھے حصہ پر جو خاص ریویو اور شاعری کی حقیقت، باقی کی تفصیل ہے، زیادہ وقت صرف کرنا ہے۔ اور آج کل اسی میں مصروف ہوں۔ خدا جلد اس سے فرصت دے۔ اصلی کام علوم القرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری ہے۔ ان کے کام کی خدا توفیق دے۔ لیکن عمر ۵۵ر تک پہونچ گئی، قویٰ میں انحطاط آ گیا۔ غذا صرف ایک چپاتی رہ گئی۔

صریر خامہ شبلی کی آتش افشانی
یہ مان لیجے کہ ہے بھی پر اس میں دم کیا ہے

اللہ بس باقی ہوس

شبلی

۶ر ستمبر ۱۹۱۰ء۔ لکھنؤ (۲)

سید احمد مرتضیٰ نظر کے نام علامہ شبلی کا جو دوسرا خط ہے وہ اور اہم ہے۔ یہ فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی کی سوانح عمری لکھنے کے سلسلے میں ہے اور نظر صاحب کے خط کے جواب ہی میں لکھا گیا ہے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں:

''سلطان صلاح الدین کی کئی سوانح عمریاں اردو میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن سب لغو۔ میرا مدت سے ارادہ تھا لیکن اب تو امید نہیں معلوم ہوتی۔ واقعی صلاح الدین بڑے پایہ کا شخص تھا اور لوگ اس کے کارناموں سے واقف نہیں۔'' (۳)

اس کے علاوہ تعلقات کی تفصیل نہیں مل سکی، البتہ علامہ شبلی کی وفات پر نظر صاحب نے فارسی میں ایک قطعہ تاریخ کہا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اسے حیات شبلی میں نقل کر دیا ہے۔

چو علامہ شبلی پاک باطن
بحکم الٰہی ز دار فنا رفت
نظر ہاتف غیب سال وفاتش
بگفتا کہ ''شبلی بہ دار بقا رفت''

۱۳۳۲ھ

''تجلیات نظر'' میں ایک اور قطعہ تاریخ نیز لوح مزار کے لئے دو مصرعے بھی شامل ہیں۔

لوح مزار

۱۔ مزار شہید علم نبی شبلی نعمانی [۱۳۳۲ھ]
۲۔ مو لا نا شبلی جنت نشیں [۱۳۳۲ھ]

دوسرا قطعہ تاریخ نو اشعار پر مشتمل ہے اور شبلی سخنوروں کی نظر میں نقل کیا جا چکا ہے۔ (۴)

حوالے

(۱) مکاتیب شبلی ج ا ص ۳۱۷-۳۱۸
(۲) ایضاً
(۳) ایضاً
(۴) شبلی سخنوروں کی نظر میں ص ۶۰-۶۱

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد

[۱۸۷۸-۱۹۴۷ء]

مشہور ریاضی داں، ماہر تعلیم اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر

ضیاء الدین احمد علی گڑھ کے مایہ ناز فرزند اور ہندوستان کے مشاہیر میں سے تھے۔ تقریباً پوری زندگی ایم اے او کالج علی گڑھ کالج سے وابستہ رہے۔ طالب علم بھی رہے اور استاذ بھی۔ مجلس مقنّنہ کے رکن بھی رہے اور وائس چانسلر بھی۔

ان کی تعلیم علی گڑھ کے علاوہ یورپ میں بھی ہوئی اور وہ ہر جگہ ممتاز اور نیک نام رہے۔ ریاضی ان کا خاص موضوع تھا اور اس میں وہ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان سے لوگوں کو تعلیم کے علاوہ ذاتی فوائد بھی پہنچے۔ بڑے سنجیدہ اور بڑے باوقار شخص تھے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین جب لندن میں زیر تعلیم تھے، بعض کتابوں کی تفصیل علامہ شبلی سے معلوم کی تھی۔ اسی کے جواب میں علامہ شبلی نے انہیں خط لکھا اور ان کتابوں اور کتب خانوں کی نشاندہی کی۔ ان کا یہ خط حال میں دریافت ہوا ہے جو ماہنامہ العلم کراچی میں شائع ہوا تھا۔(۱) یہ ۳۰/جنوری ۱۹۰۵ء کا مکتوبہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے تمام علم وفضل کے باوجود علمی کتب یا بالفاظ دیگر مصادر کے لئے ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے بھی علامہ شبلی ہی سے رابطہ کیا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ مجلس مقنّنہ میں بھی علامہ شبلی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ۲۴/دسمبر ۱۹۴۷ء کو لندن میں وفات پائی جہاں وہ جدید تعلیم کے مطالعہ کے لئے دوبارہ گئے ہوئے تھے۔

علامہ شبلی کے نام اس ایک خط کے سوا اور کوئی دوسری تحریر دریافت نہیں ہوئی۔

حوالہ

(۱) ماہنامہ العلم کراچی جنوری ۱۹۵۲ء، ص ۴۲-۴۳

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

[۱۹۲۶-۱۸۷۸]

مولانا عبدالباری فرنگی محلی فرنگی محل لکھنو کے ان متبحر علماء میں تھے جو بڑے متقی و پرہیزگار، صاحب فضل وکمال اور زہد وورع تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کی بیداری کے لئے جدوجہد کی،

وہ فرنگی محل میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم حاصل کی اور پھر وہیں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ جنگ بلقان اور حادثۂ مسجد کان پور نے انہیں بے حد متاثر کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے بڑی جدوجہد کی۔ حرمین شریفین کے تحفظ کے لئے مسلمانوں بالخصوص علماء کوانہیں نے متوجہ کیا، انجمن خدام کعبہ قائم کی اوراس کے صدر منتخب ہوئے۔

انجمن خدام کعبہ کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو بیدار کرنا اور انگریزوں کے خلاف ابھارنا تھا۔ اس کے متعلق علامہ شبلی نے اسی نام سے بڑی عمدہ کہی تھی جو ہمدرد میں شائع ہوئی تھی، اوراب راقم کی مرتبہ کتاب ''افادات شبلی'' میں شامل ہے۔

۱۹۱۸ء میں انہوں نے گاندھی جی [۱۸۶۹-۱۹۴۸ء] سے ملاقات کی، جواس زمانہ میں تحریک خلافت کے بڑے حامی وہم نوا تھے۔ ڈاکٹر مختاراحمد انصاری [۱۸۸۰-۱۹۳۶ء]، مشیر حسین قدوائی [۱۸۷۸-۱۹۳۷ء]، مولانا شوکت علی [۱۸۷۳-۱۹۳۸ء] وغیرہ سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ تحریک خلافت کے بنیادگزاروں میں ان کا بھی نام آتا ہے۔

مولانا فرنگی محلی بہت دنوں تک حجاز میں رہے۔ لکھنو واپس آئے تو علامہ شبلی سے ملاقات کے لئے کبھی کبھی ندوہ آجاتے۔ پھر وہ ندوہ کے رکن نامزد ہوئے۔ اورندوہ سے بڑی دلچسپی لی۔ جب ایک گروہ نے علامہ شبلی کی مخالفت شروع کی تو یہ اس گروہ میں شامل ہوگئے۔ اورعلامہ شبلی کی شدید مخالفت میں شامل رہے۔ حتیٰ کہ بعض جھوٹی باتیں بھی علامہ شبلی سے منسوب کیں۔ ملاحظہ ہو علامہ شبلی کا مضمون ''مولانا عبدالباری کی شہادت''، مشمولہ ''مقالات شبلی'' جلد ہشتم۔ اس مضمون کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

> ''وہ میرے مخالف گروہ کے ایک بہت بڑے ممبر ہیں۔ اوراس واقعہ کو بدنما صورت میں پھیلانے میں ان کی کوششوں کو خاص دخل ہے۔ اسی کے ساتھ مولوی عبدالکریم صاحب کی معطّلی وغیرہ کے متعلق جو غیر معمولی اجلاس ندوہ کا ہوا تھا، اس کے پانچ ممبروں میں سے ایک مولانا بھی تھے اور جو کارروائیاں اس وقت عمل میں آئیں ان میں شریک تھے۔ لیکن ان کی نسبت لوگوں نے یہ

تاویل کی کہ ان کو دھمکی یا فریب دے کر اپنا ہم زبان بنالیا تھا۔ان اسباب سے ان کی شہادت کے متعلق میں ایک مفصل تحریر شائع کرسکوں گا۔''(۱)

خود جس معاملہ میں یہ مخالف گروہ شامل تھا،اس میں رسوائی سے بچنے کے لئے اس کی تمام تر ذمہ داری علامہ شبلی کے سر ڈال دی۔

ان ریشہ دوانیوں اور روز روز کی بک بک سے تنگ آ کر ۱۹۱۳ء میں علامہ شبلی نے پہلے ماہنامہ الندوہ پھر دارالعلوم ندوہ سے استعفا دیدیا،مگر ان کی اس گروہ سے بھی نہ بنی جن کی ہم نوائی کر کے مولانا شبلی کو ندوہ سے علاحدہ ہونے پر مجبور کیا گیا تھا۔ بالآخر ایک سال بعد ۱۹۱۴ء میں انہوں نے بھی استعفا دیدیا۔

تحریک ندوہ اور دارالعلوم ندوہ کے سلسلے میں انہوں نے بعض خدشات کا ذکر کیا تھا۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی سے خط و کتابت بھی ہوئی تھی۔ان کے نام علامہ شبلی کے ۸رخطوط ''مکتوبات شبلی'' میں شامل ہیں۔ (۲)ان میں متنوع ملی معاملات ومسائل کا ذکر ہے۔علم و معرفت کے اس آفتاب نے کم عمری میں وفات پائی۔

حوالے

(۱) مراسلات شبلی ص ۹۱

(۱) مکتوبات شبلی ص ۱۵۸-۱۶۴

مہدی حسن افادی

[م: ۲۲رنومبر ۱۹۲۱ء]

اردو کے نامور ادیب وانشاپرداز مہدی حسن افادی گورکھپور کے رہنے والے جدید تعلیم یافتہ اور بڑے نستعلیق شخص تھے۔تحصیل دار کی حیثیت سے مختلف تحصیلوں پر تعینات رہے۔ادب وانشا کا بڑا عمدہ اور صاف ستھرا اور عمدہ مذاق رکھتے تھے۔

مہدی حسن افادی علامہ شبلی کے انتہائی خاص احباب میں تھے بلکہ ان کے بڑے معتقد و مداح اور ان کے ادب وانشا کے ایک بڑے شیدائی تھے۔ علامہ شبلی کو ''ملک میں تاریخ کا معلم اول'' انہیں کا دیا ہوا خطاب ہے۔ شعرالعجم کو وہ ادب عالیہ کا نمونہ قرار دیتے تھے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ علامہ شبلی کی ہرادا پر جان دیتے تھے۔ اسی تعلق کی بنا پر وہ حلقہ دارالمصنّفین میں ہمیشہ محبوب ومحترم رہے اور آخر میں دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کی مجلس انتظامیہ کے رکن نامزد ہوئے۔

مہدی حسن افادی اردو کے بڑے بانکے ادیب وانشاپرداز تھے۔ ان کی نثر میں معنویت کے ساتھ اشاریت بلکہ لطیف اشاریت بہت ہے۔ نئے نئے الفاظ ومحاورات واصطلاحات کے خوب صورت اور برمحل استعمال پر انہیں بڑی قدرت ومہارت حاصل تھی۔ افادات مہدی ان کے ادبی مضامین کا بڑا دلکش مجموعہ ہے۔ جو ان کی وفات کے بعد بیگم مہدی نے شائع کیا تھا۔ اسی طرح ''مکاتیب مہدی'' بھی انہی کی کوششوں سے زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ مکاتیب مہدی اردو کے مکتوباتی ادب میں بلا شبہ بیش بہا اضافہ ہے۔

علامہ شبلی اور مہدی افادی میں خط وکتابت بھی رہی بلکہ علامہ شبلی سے جن احباب کی طویل خط وکتابت رہی ان میں ایک نام مہدی حسن افادی کا بھی ہے۔ ان کے نام علامہ شبلی کے ۷۹ خطوط مکاتیب شبلی حصہ دوم میں شامل ہیں۔ اس کا دورانیہ مئی ۱۸۹۰ء سے ۲۵؍جنوری ۱۹۱۴ء ہے۔ (۱) اسی طرح ''مکاتیب مہدی'' میں علامہ شبلی کے نام مہدی حسن افادی کے ۳؍خطوط شامل ہیں۔ راقم نے علامہ شبلی کے نام اہل علم وادب کے جو خطوط یکجا کئے ہیں مذکورہ خطوط کو اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ (۲) بیگم مہدی نے ان کے خطوط محفوظ نہ رکھنے پر مکاتیب مہدی کے دیباچہ میں علامہ شبلی سے بجا شکوہ کیا ہے۔

مہدی حسن افادی کے ایک مضمون کی تحسین میں علامہ شبلی لکھتے ہیں:

> ''مدت ہوئی البشیر میں قاموس الاسلام کے عنوان سے ایک مضمون دیکھا۔ نیچے مہدی حسن کے دستخط تھے، حیرت ہوئی کہ یہ وہی مرزاپوری ہیں یا نذیر احمد اور آزاد کی روحوں نے ایک قالب اختیار کر لیا ہے۔ کئی دن تک دیکھتا

اور احباب کو دکھاتا رہا۔ دو تین ہفتے ہوئے وہی برق ایک اور افق پر چمکی جو پہلے سے زیادہ خیرہ کن اور ہوش ربا تھی، مصمم ارادہ ہوا کہ اب کہ ضرور مبارک باد لکھوں۔'' (۳)

علامہ علماء کو کس سطح پر لانا چاہتے تھے، اس کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''میں علماء کی سطح کو بلند کرنا چاہتا ہوں اس کے لئے زینے درکار ہیں، الغزالی پہلا زینہ ہے دوسرا تاریخ الکلام پھر اصلی سطح یعنی الکلام جدید ہے، جو زیر تصنیف ہے۔ ...... اگر الغزالی میں کھل کھیلتا تو علماء برسوں بلکہ قرنوں کے لئے ہاتھ سے نکل جاتے اور مجھ کو ان سے کٹ کر الگ ہونا منظور نہیں۔'' (۴)

حواشی

(۱) مکاتیب شبلی حصہ دوم، ص ۱۶۷-۲۰۰

(۲) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ص ۱۲۳-۱۲۷

(۳) مکاتیب شبلی حصہ دوم، ص ۲۱۸

(۴) مکاتیب شبلی حصہ دوم ص ۱۷۳

پروفیسر زماں مہدی

[۱۸۷۹-۱۹۴۱ء]

پروفیسر زمان مہدی اصلاً سرگودھا (پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ میں تعلیم پائی تھی۔ چونکہ اس زمانہ میں ایم اے او کالج علی گڑھ الہ آباد یونیورسٹی سے ملحق تھا اس لئے بی اے کی سند وہاں سے ملی۔

تحصیل علم کے بعد پروفیسر زماں مہدی ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء میں علی گڑھ میں تاریخ اور فلسفہ

کے پروفیسر رہے،لیکن دوسال بعد۱۹۰۱ء میں پنجاب پروانشیل سروس مقابلہ جاتی امتحان پاس کرکے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پرفائز ہوئے۔وہ مسلم لیگ اوربعض دوسری سیاسی تنظیموں سے بھی وابستہ رہے۔علامہ سرمحمداقبال سے بڑاتعلق تھا۔انجمن حمایت اسلام لاہور کی بھی بڑی مدد کیا کرتے تھے۔۱۵/مارچ۱۹۴۱ءکواپنے آبائی گاؤں بھرت شرقی میں انتقال کیا۔

پروفیسرزماں مہدی جب علی گڑھ میں پروفیسر تھے علامہ شبلی کے صاحبزادے حامدحسن نعمانی [۱۸۸۰-۱۹۴۲ء] وہاں کے طالب علم تھے اور غالباً ان کے بہت قریب تھے۔ وہ بوجوہ وہاں سے فرار ہوگئے ۔ان کی تلاش کے سلسلہ میں علامہ شبلی نے پروفیسرزماں مہدی سے خط و کتابت کی تھی۔یہ خطوط حامدحسن نعمانی نے مکاتیب شبلی کی اشاعت کےوقت روک لئے تھےاور سیدصاحب سےاس کاذکربھی نہیں کیا تھا۔بڑی بات یہ ہے کہ انہیں محفوظ رکھااور۱۹۴۲ء میں ان کی وفات کے بعد سے اب تک ان کی صاحبزادیوں نے بھی ان خطوط کو سینے سے لگائے رکھا۔ حال میں ان کے داماد کیپٹن سہیل سلطان نے وہ خطوط اشاعت کے لئے مجھ ناچیز کوفراہم کئے ۔ افسوس اب کیپٹن سہیل سلطان بھی وفات پا چکے ہیں۔اللہ تعالی ان سب کی مغفرت فرمائے۔

پروفیسرزماں مہدی کے نام علامہ شبلی کے۳/مکاتیب ''مکتوبات شبلی'' میں شائع ہوئے ہیں۔ان میں حامدحسن نعمانی کی گم شدگی یافرار کاتذکرہ ہے۔

منشی شرف الدین رامپوری

[•••]

منشی شرف الدین رامپوری بڑے عالم وفاضل شخص تھے۔فقہ میں بڑی بصیرت کے حامل تھے۔اسی بناپرابویوسف زمانہ کہے جاتے تھے۔نواب سیداحمدعلی خاں کے عہد میں عہدۂ قضاپر مامور تھے۔انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ان میں منطق میں سراج المیزان ،شرح سلم اور فتاویٰ قابل ذکر ہیں۔علاوہ ازیں فارسی میں ایک رسالہ علم فرائض بھی ان کی یادگار ہے۔(۱)ان

کے نام علامہ شبلی کا ایک خط مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل ہے۔(۲)اس مفصل خط میں طویل اور مختصر سوانح عمریوں کے لکھے جانے اوران کی افادیت کا ذکر ہے۔

حواشی

(۱) تذکرہ کاملان رام پور ص ۱۷۰-۱۷۱

(۲) مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۳۱۹

پروفیسر سید نواب علی ایم اے

[۱۸۷۸-۱۹۶۱ء]

پروفیسر سید نواب علی ایم اے بڑے عالم و فاضل تھے۔ نامور اہل قلم اور ممتاز مصنف تھے۔لکھنو میں پیدا ہوئے۔یہیں تعلیم حاصل کی۔لکھنو کے مشہور کینگ کالج سے بی اے کیا۔بعد ازاں علی گڑھ گئے۔وہاں سے بی اے،ایم اے اور بی ٹی کی اسناد حاصل کیں۔۱۹۰۰ء میں تعلیم فراغت پائی تو ایم اے او کالج علی گڑھ کے اسٹاف میں شامل ہوگئے۔ پھر بڑودہ کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔مسلسل ۲۶رسال وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔اس دوران بمبئی یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی کے ممتحن بھی رہے۔اس کے بعد ریاست جونا گڑھ کے بہاءالدین کالج کے پرنسپل منتخب ہوئے۔اس سے سبکدوش ہوکر ریاست کے وزیر تعلیمات واوقاف بنائے گئے۔۱۹۳۴ء میں وظیفہ یاب ہوئے۔اور کچھ دنوں بعد ۱۹۴۸ء میں پاکستان ہجرت کر گئے۔ ۳۰رجون ۱۹۶۱ء کو کراچی میں وفات پائی۔اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

لکھنو کے زمانہ تحصیل میں علامہ شبلی کے معتقد ہوئے تو ہمیشہ ان سے متاثر رہے۔ وہ ایک ماہر تعلیم کے ساتھ ممتاز اہل قلم اور مصنف ومحقق تھے۔متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔ بعض کتابیں نصاب تعلیم میں بھی شامل ہوئیں۔ان کی اردو تصانیف کے نام یہ ہیں:

تذکرۃ المصطفیٰ۔ ہمارے نبیؐ۔معارج الدین۔تاریخ صحف سماوی۔سیرت

رسول اللہؐ۔شمع سخن۔قصص الحق۔گلبن۔دین حق۔وغیرہ

اردو کے علاوہ کئی کتابیں انگریزی میں لکھیں۔بعض کتابوں کے ترجمے بھی ان کے قلم سے شائع ہوئے۔

انہیں علامہ شبلی سے بے حد لگاؤ تھا۔مولانا ماجد دریابادی کی طرح ان کا شمار بھی لکھنو میں علامہ شبلی کی مجالس کے حاضر باشوں میں ہوتا ہے۔منشی محمد امین زبیری نے جب علامہ شبلی کی شخصیت داغ دار کرنے کی کوشش کی تو جن اہل علم کا قلم ان کے جواب کے لئے نیام سے باہر آیا ان میں پروفیسر سید نواب علی کا نام بھی شامل ہے۔ان کا مضمون ماہنامہ ادیب علی گڑھ کے شبلی نمبر میں شامل ہے، جس میں ڈاکٹر ابن فرید کا معرکہ آرا مضمون 'شبلی چوں بہ خلوت می رود' بھی شامل ہے۔

مکاتیب شبلی حصہ اول میں ان کے نام علامہ شبلی کے ۵رخطوط شامل ہیں اور سب کے سب بڑے اہم موضوعات ومباحث پر مشتمل ہیں۔زیادہ مباحث سیرت نبویؐ سے متعلق ہیں۔خود انہوں نے بھی سیرت پر بڑی شاندار کتاب لکھی ہے۔

پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز

[۱۸۷۹-۱۹۵۲ء]

پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز پروفیسر دکن کالج پونہ فارسی زبان وادب کے ایک بڑے عالم، ادیب اور محقق تھے۔بلکہ ان کا شمار ملت کے قابل فخر اشخاص میں ہوتا تھا۔وہ مشرق ومغرب کی متعدد زبانوں سے واقف تھے۔اور نہ صرف زبان بلکہ لسانیات پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے۔

۱۹رجولائی ۱۸۷۹ء کو وہ پونہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔۱۹۰۲ء میں فارسی میں بمبئی یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔مختلف کالجوں میں فارسی کے استاذ رہے۔آخر میں دکن کالج پونہ سے وابستہ ہوئے۔۱۹۳۳ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔۱۰ردسمبر ۱۹۵۲ء کو پونہ میں انتقال کیا۔اور اسی کی خاک کے حوالہ ہوئے۔

وہ علامہ شبلی نعمانی کے بڑے عقیدت کیش تھے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ

''مولانا شبلی مرحوم سے ان کی ملاقات ۱۹۰۸ء میں بمبئی میں ہوئی۔اس وقت مولانا شعرالعجم کی تکمیل میں مصروف تھے۔دونوں میں تعلقات کی وابستگی کا رشتہ یہی فارسی شعروادب کا ذوق تھا۔وہ فارسی کے یورپین مستشرقین کی تحقیقات سے مولانا کو مطلع کیا کرتے تھے اور بعض مضامین کے ترجمے بھیجا کرتے تھے۔مکاتیب شبلی میں مرحوم کے نام مولانا کے جو خطوط ہیں ان سے ان تعلقات کی پوری حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔''(۱)

علامہ شبلی ہی کے کہنے پر انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کو دکن کالج پونہ میں استاذ مقرر کرایا تھا۔(۲) وہ بڑے علم دوست،معارف پرور اور اہل علم کے قدرداں تھے۔لکھنے پڑھنے کا اعلیٰ مذاق تھا۔اور متعدد اہم علمی وادبی کارنامے انجام دئے،لیکن ان کے استاد مرزا حیرت کی سوانح اور بمبئی کے کتب خانوں کی توضیحی فہرست کے سوا ان کی تحقیقات شائع نہیں ہوسکیں۔

ان کے نام علامہ شبلی کے ۳۰ر خطوط مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل ہیں۔ان سے واضح ہوتا ہے کہ اتحاد مذاق دونوں کے اتحاد وتعلقات کا بنیادی سبب تھا۔

ہمارے کرم فرما اور ماہر لسانیات پروفیسر ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے ان پر ایک عمدہ کتاب ''خان بہادر پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفرآز احوال اورآثار'' لکھی ہے،(۲) جس میں علامہ شبلی سے ان کے روابط کا اہتمام سے ذکر کرنے کے ساتھ ان کے تمام خطوط بھی شامل کئے ہیں اور ان کی دیگر خصوصیات کا بھی ذکر کیا ہے۔

حوالے

(۱) یادرفتگاں ص۴۴۲

(۲) ایضاً ص۴۴۳

(۴) مطبوعہ دکن مسلم ایجوکیشن اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،پونے،۲۰۰۳ء

مولوی سید ولی الحق

[•••]

مولوی سید ولی الحق موضع سنڈا ضلع پٹنہ (بہار) کے باشندہ اور بڑے ذی علم شخص تھے۔ تحریک ندوہ، علی گڑھ اور انجمن ترقی اردو وغیرہ سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا اور اس کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور ان کی ترقی میں ان کا حصہ ہے، مگر افسوس کہ ان کے حالات قلم بند نہیں کئے گئے۔

مولوی سید ولی الحق کے علامہ شبلی سے مراسم تھے۔ بہار کے مشہور رسالہ ''ندیم'' گیا میں ان کے نام علامہ شبلی کے ۱۳ر خطوط شائع ہوئے ہیں۔ بعد میں ان خطوط کو خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے اپنی کتاب ''مکتوبات مشاہیر'' مطبوعہ ۱۹۹۹ء میں شامل کیا۔ اور راقم نے یہیں سے ان خطوط کو اپنی کتاب ''مکتوبات شبلی'' میں نقل کیا ہے۔

مولوی سید ولی الحق سے علامہ شبلی نعمانی کی خط و کتابت کا زمانہ ۱۷رمئی ۱۹۰۴ء سے ۲۷راگست ۱۹۰۷ء کے عرصہ پر مشتمل ہے۔ خط و کتابت کا اصل موضوع تو اردو اور انجمن کی ترقی اردو اور اس کی مجوزہ کتابوں کا ترجمہ ہے۔ تاہم اس سے کئی اہم امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ترجمہ ہونے والی کتابوں کے ممتحن ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولوی ذکاء اللہ دہلوی، مولوی عزیز مرزا، مولوی مسعود علی محوی اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ ایک خط میں علامہ شبلی نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ پہلے سے کوئی ممتحن متعین نہیں ہوتا اور نہ اسے بتایا جاسکتا ہے۔

ایک اور خط سے علامہ شبلی کی دوسری بیوی کی تاریخ وفات اکتوبر ۱۹۰۵ء ثابت ہوتی ہے۔ اس تاریخ کی تعیین مولوی سید ولی الحق کے نام کے خط ہی سے ہوئی ہے۔ افسوس مولوی سید ولی الحق کے حالات وسوانح اور سنہ ولادت ووفات معلوم نہ ہو سکے۔

شاکر میرٹھی

[۱۸۸۰-۱۹۵۶ء]

منشی پیارے لال شاکر میرٹھی، میرٹھ کے رہنے والے اردو کے ممتاز ادیب، شاعر اور نقاد تھے۔ انہیں شوکت میرٹھی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ منشی نوبت رائے نؔظر سے بھی تقریباً دو برس مشورہ سخن رہا۔ ماہنامہ ادیب الہ آباد کے ایڈیٹر رہے۔ ادیب کے بند ہو جانے کے بعد ماہنامہ العصر جاری کیا۔ ماہنامہ ادیب الہ آباد کے پہلے شمارہ پر مولانا عبدالسلام ندوی نے ماہنامہ الندوہ میں تبصرہ کیا تھا اور بڑی تحسین وستائش کی تھی۔ شاکر میرٹھی اخبار ریاست سے بھی کچھ دنوں تک وابستہ رہے۔ ارباب ذوق نے ان کی شاعری کی تحسین وستائش کی ہے۔ ۲۰ رفروری ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا۔ ان کی قبر لکھنو کے مسیحی قبرستان پہاڑ گنج میں واقع ہے۔

ان کے نام علامہ شبلی کے دو خطوط دریافت ہوئے ہیں۔ پہلا خط مکاتیب شبلی حصہ اول میں اور دوسرا خط مکتوبات شبلی میں شامل ہے۔ دوسرا خط قدرے تفصیل سے لکھا گیا ہے، مگر پہلا خط دراصل ایک سوال نامہ ہے جس میں علامہ شبلی کی سوانح، کارناموں اور پسند و ناپسند سے متعلق چند سوالات کے جوابات دئے گئے ہیں۔

حامد حسن نعمانی

[۱۸۸۰-۱۹۴۲ء]

علامہ شبلی کے اکلوتے فرزند حامد حسن نعمانی اپنے وطن موضع بندول میں پیدا ہوئے۔ خانگی تعلیم کے بعد نیشنل اسکول اعظم گڑھ میں داخل ہوئے۔ یہاں قاضی عبدالرحمٰن حیرتؔ ان کے استاد اور سرپرست رہے۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳ رنومبر ۱۸۹۹ء کو ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں ایف، اے پاس کیا۔ پھر تحصیل داری کا امتحان پاس کر کے

تحصیل دار منتخب ہوئے۔ پہلے دیوگاؤں میں تقرر ہوا۔ پھر جونپور تبادلہ ہوا۔ کچھ دن بستی اور گورکھپور میں بھی تعینات رہے۔ پولو کھیلنے کے بڑے شوقین تھے۔ پولو میں ان کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ گورکھپور میں ان کے نام سے ایک پولوگراؤنڈ منسوب تھا۔ ۲۰؍ مارچ ۱۹۴۲ء کو جونپور میں وفات پائی۔ شبلی منزل میں اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حامد حسن نعمانی کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ پانچ بیٹیاں ڈاکٹر نسیم جہاں [اہلیہ: جناب ڈاکٹر ظفر الہدیٰ موضع ہنگائی پور، لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی]، شمیم جہاں [اہلیہ: احتشام صاحب راجہ پور سکرور]، تحسین جہاں [اہلیہ: جناب شوکت سلطان مرحوم، سابق پرنسپل شبلی کالج اعظم گڑھ] محسنہ سلطانہ [اہلیہ: جناب ڈاکٹر محبّ اللہ خاں، ایم، بی، بی، ایس، موضع دھورہ را، سابق سپرین ٹنڈنٹ مہاتما گاندھی میڈیکل کالج ؍اسپتال لکھنو]، مومنہ خاتون [اہلیہ: کیپٹن سہیل سلطان صاحب، کراچی]، نسیم جہاں مرحومہ سب سے بڑی تھیں۔ کرامت حسین کالج لکھنواور گورکھپور سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ایم، بی، بی، ایس کر کے ڈاکٹر بنیں۔ تقسیم پاکستان کے بعد بنگلہ دیش میں میڈیکل افسر رہیں۔ وہیں انتقال کیا۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ نے سیرۃ النبیؐ کا جو ڈیلکس ایڈیشن شائع کیا ہے وہ انہی کے اثاثہ سے شائع ہوا تھا۔

حامد حسن نعمانی کے یہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا، جو بچپن ہی میں فوت ہوا۔ علامہ شبلی نعمانی کو اس سے بڑی انسیت تھی۔

حامد حسن نعمانی کے نام ''مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں ایک اور ''مکتوبات شبلی'' میں ۳۱؍ خطوط شامل ہیں۔ مکتوبات شبلی میں شامل ۲۱؍خطوط حال میں دریافت ہوئے ہیں۔ نو دریافت خطوط میں زیادہ تر نجی اور ذاتی قسم کے حالات وواقعات، معاملات اور معلومات ہیں۔

ان مکتوبات شبلی کا اب تک مطالعہ وجائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی روشنی بعض نئی باتیں سامنے آسکتی ہیں۔

مولوی حسین عطاء اللہ حیدرآبادی

[•••]

قاضی بدرالدولہ کے چھوٹے صاحبزادے مولوی حسین عطاء اللہ حیدرآباد اصلاً مدراس کے رہنے والے تھے، مگر حیدرآباد آ گئے تھے اور نواب سرآسمان جاہ کے اسٹاف میں شامل ہو گئے تھے۔ کتابوں کے بڑے شائق تھے اور اچھا خاصہ کتاب خانہ رکھتے تھے۔(۱)

علامہ شبلی اور مولوی حسین عطاء اللہ میں کتابوں کے تعلق سے مراسم وتعلقات تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو کتابوں کے سلسلے میں خطوط لکھے ہیں۔ مکاتیب شبلی میں ان کے نام علامہ شبلی کے دو خطوط شامل ہیں۔(۲) اور دونوں بہت علمی اور معلوماتی ہیں۔ ایک میں سیرۃ النبیؐ کا ذکر ہے۔ وہ ۱۲٦۰ھ میں مدراس میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۷ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی۔ 'درگاہ یوسف صاحب' میں مدفون ہیں۔

حوالے

(۱) مکاتیب شبلی ج ا ص ۳۳۲۔ ۳۳۳، حاشیہ

(۲) ایضاً

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی ؒ

[۱۸۸۲-۱۹۳۵ء]

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی خانوادۂ پھلواری کے ایک روشن چراغ تھے۔ پھلواری شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مختلف مقامات پر اہل علم اور ارباب کمال سے علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل کی۔ انہوں نے فرنگی محل اور دلی و لکھنؤ کے نامور اساتذہ سے تحصیل علم کیا تھا۔ لکھنو میں طب پڑھی اور طبابت کا شغل بھی اختیار کیا۔ دینی و ملی جذبات سے سرشار ہو کر

تحریک ندوہ میں شامل ہوئے۔اور پھر ندوہ کی تعمیر وترقی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

مولانا پھلواروی ہندوستان کے مشہور عالم دین اور شعلہ بیان خطیب ومقرر تھے۔اس زمانہ میں ان کی تقریریں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں عموماً شائع ہوا کرتی تھیں۔۱۹۰۵ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں انہوں نے جو خطبہ دیا تھا اسے بہت سراہا گیا۔اور وہ کتابچہ کی صورت میں بھی شائع ہوا۔انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے بھی دلچسپی لی اور برسوں اس میں سرگرم عمل رہے۔سرسید احمد خاں اور ان کے بعد نواب محسن الملک کے عہد میں بھی سرگرم رہے۔ان کے بعد بھی ان کا تعلق قائم رہا۔

شاعری سے بہت دلچسپی تھی۔قدیم شعرا کے اشعار اکثر گنگنایا کرتے تھے۔وہ خود بھی بہت اچھے شاعر تھے۔اردو،عربی اور فارسی میں تینوں زبانوں میں دادِسخن دیتے تھے۔اردوعربی میں زیادہ البتہ فارسی میں کم کہتے تھے۔ان کا تخلص حاذقؔ تھا۔(وفیات معارف ص ۹۸)

انہیں عربی زبان پر غیر معمولی دسترس تھی۔علامہ شبلی سے تعلقات تھے۔خط وکتابت بھی رہی۔دونوں تحریک ندوہ میں ساتھ ساتھ رہے بلکہ انہی کی کوششوں سے ندوہ لکھنؤ میں قائم ہوا۔ورنہ دہلی چلا گیا ہوتا۔(ایضاً)

مولانا محمد علی مونگیری اور علامہ شبلی کی طرح ندوہ کی تعمیر وترقی میں ان کا بھی بڑا نمایاں حصہ ہے۔

ان کے نام علامہ شبلی کا ۱۱ رخط مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل ہے،جبکہ علامہ شبلی کے نام ان کے دو خطوط ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شائع ہوئے ہیں۔

سید رضا علی وحشتؔ

[۱۸۸۱-۱۹۵۶ء]

اردو و فارسی کے ممتاز اور قادر الکلام شاعر سید رضا علی وحشتؔ علامہ شبلی کے بڑے

قدر دانوں میں تھے۔ ان پر انگریزی میں پہلا مضمون انہی نے لکھا تھا جو ۱۹۰۹ء میں کلکتہ کے اخبار ''مارننگ نیوز'' میں شائع ہوا۔ ایک بار مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ کے جلسہ میں ان کی دعوت پر علامہ شبلی شریک ہوئے۔ اس موقع پر انہوں نے فارسی میں استقبالیہ نظم پڑھی، جس کے ایک ایک شعر سے ان کی عقیدت شبلی کے جذبات ظاہر ہوتے ہیں۔ دونوں کے درمیان خط و کتابت بھی رہی مگر کوئی خط دستیاب نہیں ہے۔ وحشت کا پہلا دیوان ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا اور انہوں نے علامہ شبلی کی خدمت میں بھیجا تو انہوں نے لکھا کہ

''آپ کے کلام میں من حیث الاغلب جدت، ندرت اور پختگی ہوتی ہے۔ غالب اور مومن کی ترکیبیں اور طرز آپ سے خوب بن پڑتی ہیں۔''

(حیات وحشت ص ۴۷)

علامہ شبلی کے اس دوسطری خط کے سوا کوئی مستقل خط دستیاب نہیں ہوا اور نا ہی علامہ کے نام وحشتؔ ہی کا کوئی مکتوب ملا۔ حالانکہ وحشت کے مکاتیب شائع ہو چکے ہیں۔

دیانرائن نگم۔ بی اے

[۱۸۸۲-۱۹۴۲]

دیانرائن نگم بی اے مدیر ماہنامہ زمانہ کان پور اردو کے نامور اہل قلم اور ادیب و انشا پرداز تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے ماہنامہ زمانہ جو بریلی سے نکلتا تھا اپنی ادارت میں لیا اور اسے کان پور لائے۔ اور اسے اس قدر ترقی دی کہ اس کا شمار اردو کے ممتاز ترین رسائل میں ہوا۔ اس کے ذریعہ انہوں نے اردو زبان و ادب کی جو عظیم الشان خدمات انجام دیں وہ اردو کی تاریخ میں آب زر سے لکھی جانے کے لائق ہیں۔

انہوں نے اردو کے ہزاروں قاری پیدا کئے۔ زمانہ سے وابستہ ہو کر سیکڑوں ادیبوں اور شاعروں نے ادبی خدمات انجام دیں اور ملک میں نیک نام ہوئے۔ زمانہ محض ایک رسالہ نہ تھا

بلکہ اردو میں ہندو مسلم اتحاد کا ایک نمونہ تھا۔ جو زمانہ کے بعد پھر زمانے نے نہیں دیکھا۔ ان کے نام علامہ شبلی کا ایک محض خط مکاتیب شبلی حصہ دوم [ص ۲۰۱] میں شامل ہے۔ وہ دراصل ایک سوال نامہ کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اس سے علامہ شبلی کے بعض افکار و خیالات سامنے آتے ہیں۔

عزیز لکھنوی

[۱۸۸۲-۱۹۳۵ء]

مرزا محمد ہادی، عزیز لکھنوی کا شمار اردو کے نامور شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے متعدد مجموعہ کلام انجم کدہ، گل کدہ، گلزار ادب اور اوراق عزیز شائع ہوئے ہیں۔ نثر میں ان کی دو تصنیفات میں مرزا رسوا حیات اور کارنامے، اور شہید ثالث خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علمی و ادبی مضامین کا ایک مجموعہ ''مضامین عزیز'' نامور ادیب و نقاد سید مسعود حسن رضوی ادیب نے مرتب کیا تھا جو ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ لکھنو میں علامہ شبلی سے جن ارباب شعر و ادب سے تعلقات تھے ان میں عزیز لکھنوی بھی شامل تھے۔ ان کے نام ایک رقعہ ماہنامہ معارف میں شائع ہوا ہے جسے اب مکتوبات شبلی میں شائع کر دیا گیا ہے۔ اس میں ''موازنہ انیس و دبیر'' کا ذکر ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی

[۱۸۸۳-۱۹۵۶]

علامہ شبلی کے شاگرد عزیز مولانا عبدالسلام ندوی اردو کے نامور ادیب و انشا پرداز اور مصنف و مترجم تھے۔ اعظم گڑھ کے ایک موضع علاء الدین پٹی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے خسر مولوی عبداللہ چاند پاروی سے حاصل کی۔ کان پور اور آگرہ میں تحصیل علم کے بعد ندوہ پہنچے اور وہیں تکمیل کی۔ پہلے ماہنامہ الندوہ کے نائب مدیر رہے پھر الہلال کلکتہ کی ادارت سے

وابستہ ہوگئے۔۱۹۱۴ء میں دارالمصنّفین قائم ہوا تو اس سے وابستہ ہوگئے۔ پھر مدۃ العمر کسی اور طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ وہ علامہ شبلی کے ان شاگردوں میں تھے جن پر ان کو ناز تھا۔ مولانا عبدالسلام ندوی اردو کے ایک بڑے مصنف تھے۔علم وادب کے مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زیادہ کتابیں سپردِقلم کیں۔ان میں اسوۂ صحابہؓ وصحابیاتؓ، امام رازی، ابن خلدون، اقبال کامل، فقرائے اسلام، تاریخ الحرمین شریفین، شعرالہند، حکمائے اسلام، تاریخ فقہ اسلامی، سیرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہ بے حد اہم کتابیں ہیں۔

وہ شاعر بھی تھے۔شمیم تخلص کرتے تھے۔البتہ روایتی قسم کے شاعر تھے۔لکھنوی شاعری پر معترض ہوئے مگر شاعری انہی کے انداز کی کرتے رہے۔ان کی شاعری پر متعدد مقالات شائع ہوئے ہیں۔۱۹۵٦ء میں دارالمصنّفین میں وفات پائی اور اسی کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے انہیں کثرت سے خطوط لکھے، مگر انہوں نے محفوظ نہیں رکھے۔ مکاتیبِ شبلی میں ان کے نام ۸رخطوط مولانا سید سلیمان ندوی نے شامل کئے ہیں۔ان خطوط میں علامہ شبلی کے علمی وتصنیفی منصوبوں کا ذکر ہے۔بعض خطوط میں علامہ شبلی نے سخت سست بھی سنائی ہے اور بڑے شاندار جملے لکھے ہیں۔

علامہ شبلی ماہنامہ الندوہ کے مدیر تھے اور مولانا عبدالسلام ندوی ان کے اسسٹنٹ، اس سلسلہ میں بھی دونوں کے درمیان خط وکتابت ہوئی ہے۔بعض اصلاحیں اور تنبیہات بھی ان خطوط میں شامل ہیں۔سیرت سے متعلق بعض استفسار اور ان کے جوابات بھی آ گئے ہیں۔غرض گوناگوں مباحث سے یہ خطوط لبریز ہیں۔

ماسٹر محمد شفیع

[•••]

ماسٹر محمد شفیع غالباً خانوادۂ شبلی کے فرد تھے۔طرزِ تخاطب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علامہ

شبلی کی عزیزوں میں سے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود ان کی تشخیص و تعیین نہیں ہوسکی کہ یہ ایا یہ کون شخص ہیں۔ان کے نام علامہ شبلی کا ایک خط مولانا سید سلیمان ندوی نے مکاتیب شبلی حصہ اول میں شامل کیا ہے۔اس کے مشمولات سے واضح ہے وہ کوئی بہت قریبی شخص ہے۔

عزیز صفی پوری

[۱۸۸۳-۱۹۲۸ء]

عزیز صفی پوری اردوو فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔اپنے نانیہال صفی پور میں پیدا ہوئے۔ان کے والد محمد علی شاہ، نواب واجد علی شاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ان کی خواہش تھی کہ عزیز بھی دربار ہی سے وابستہ ہوں مگر ان کی طبیعت نے گوارا نہ کیا۔مدۃ العمر شاعری کی۔ اردو کے تین اور فارسی کے چار دیوان ان کی یادگار ہیں۔

علامہ شبلی کا ان کے نام ایک خط 'مکتوبات شبلی' میں شامل ہے جو دراصل عزیز صفی پوری کے ایک خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔اس میں عزیز صفی پوری نے اپنے کلام کے بارہ میں علامہ شبلی کی رائے طلب کی ہے۔اس کے علاوہ دونوں کے ایک دوسرے سے تعلقات یا خط کتابت کا کوئی سراغ کسی اور ذریعہ سے نہیں مل سکا ہے۔

دلگیر اکبرآبادی

[۱۸۸۳-۱۹۳۴ء]

نظام الدین شاہ، دلگیر اکبرآبادی بھی علامہ شبلی کے مکتوب الیہ میں شامل ہیں۔ان کے نام ایک مختصر خط دستیاب ہوا ہے۔

دلگیر ۲۳ر فروری ۱۸۸۳ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم حاصل کی اور وہیں شعرو ادب کی خدمت کے ساتھ رسائل کی ادارت کی۔ ۱۹۳۴ء میں وہیں انتقال کیا۔

دلگیر اکبرآبادی اردو کے ادیب وانشاپرداز اور ممتاز شاعر تھے۔ ان کی تخلیقات معاصر رسائل وجرائد مخزن لاہور، دلگداز لکھنو، اردوئے معلیٰ علی گڑھ اور الناظر لکھنو وغیرہ میں شائع ہوئی ہیں۔ انہوں نے آگرہ سے جنوری ۱۹۱۳ء میں ماہنامہ نقاد جاری کیا۔ جو بہت جلد اہل علم وادب اور شعرا کے درمیان خاصا مقبول ہوا۔ مارچ ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں نقاد کے بارہ میں علامہ شبلی کے تاثرات شائع ہوئے ہیں جو دراصل علامہ شبلی کے خط سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ شبلی اور دلگیر کے کسی قسم کے روابط اور خط وکتابت کی تفصیل نہیں ملتی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ

[۱۸۸۴-۱۹۵۳ء]

علامہ سید سلیمان ندوی نامور ادیب، شاعر، مصنف، محقق، نقاد، سوانح نگار، ماہر تعلیم، سیرت نگار رسول اعظمؐ اور ایک بڑے مقالہ نگار تھے۔ علامہ شبلی کے عزیز ترین شاگرد اور جانشین تھے۔ انہوں نے دین وملت کی خدمت اور علامہ شبلی نعمانی کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے میں اپنی سب صلاحیتیں لگادیں۔ علامہ اقبال نے انہیں بجاطور پر ''علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد'' قرار دیا ہے۔ (مشاہیر کے خطوط ص ۱۳۴)

علامہ سید سلیمان ندوی ۱۸۸۴ء میں بہار کے مردم خیز قصبہ دیسنہ میں ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ندوہ آئے اور ۱۹۰۶ء میں تعلیم سے فراغت پائی اور بجاطور پر ندوہ کے نامور فرزند قرار پائے۔ وہ یہاں استاذ بھی رہے اور ماہنامہ الندوہ کے سب ایڈیٹر بھی۔ بعد میں معتمد تعلیم بھی نامزد ہوئے۔ طلبہ کے لئے لغات جدیدہ تیار کی۔ غرض وہ ندوہ سے مختلف حیثیتوں سے وابستہ رہے اور انہیں اخیر تک وہ مقام حاصل رہا جو سب کچھ کرنے

کے باوجوان کے استاذ علامہ شبلی کو نہ مل سکا۔ یہاں سے مولانا ابوالکلام آزاد انہیں ''الہلال'' کے لئے کلکتہ لے گئے، اسی زمانہ میں سر شیخ عبدالقادر سرفرآز کی کوششوں سے دکن کالج پونہ میں پروفیسر مقرر ہوئے۔

۱۸رنومبر۱۹۱۴ء کو علامہ شبلی نعمانی نے وفات پائی تو ان کے علمی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے سید صاحب دکن کالج پونہ کی پروفیسری کو خیر باد کہہ کر اعظم گڑھ میں آستانہ شبلی پر آبیٹھے۔ استاذ کے حکم کی تعمیل میں سیرۃ النبی کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ دارالمصنّفین جس کا علامہ شبلی نے صرف بنیادی خاکہ تیار کیا تھا، اس میں رنگ بھر کر علامہ شبلی کے خوابوں کو حقیقی تعبیر دینے کا آغاز کیا۔ چھ جلدوں میں سیرۃ النبیؐ شائع کی۔ علامہ شبلی کے مقالات، خطبات اور مکاتیب کی گیارہ جلدیں شائع کیں، شعرالعجم کا آخری حصہ بھی انہی نے شائع کیا۔ علامہ شبلی کی خواہش کے مطابق تصنیف وتالیف کا ایک وسیع منصوبہ بنا کر تلامذہ شبلی مولانا حمید الدین فراہی، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولوی مسعود علی ندوی کے ساتھ ایک ایک کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ ان کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا اور جس پر دنیائے علم وادب ہمیشہ فخر وناز کرے گی۔

سید صاحب رئیس المصنّفین تھے۔ ان کے قلم سے مندرجہ ذیل کتابیں نکلیں:

۱۔ سیرۃ النبی۔ سوم تا ہفتم، ۲۔ ارض القرآن دو حصے، ۳۔ خیام، ۴۔ عربوں کی جہاز رانی، ۵۔ سیرت عائشہ، ۶۔ خطبات مدراس، ۷۔ عرب وہند کے تعلقات، ۸۔ لغات جدیدہ، ۹۔ حیات شبلی، ۱۰۔ یاد رفتگاں، ۱۱۔ رحمت عالم، ۱۲۔ حیات امام مالک، ۱۳۔ بہادر خواتین اسلام، ۱۴۔ رسالہ اہل سنت والجماعت، ۱۵۔ نقوش سلیمانی وغیرہ

بعد میں ان کے ادبی مقالات وخطبات ''مقالات سلیمان'' کے نام سے تین حصوں میں شائع ہوئے۔ مکتوبات سلیمانی کے نام سے مکاتیب اور شذرات سلیمانی کے نام سے ماہنامہ معارف کے شذرات بھی تین حصوں میں شایع ہوئے۔ ایک مجموعہ کلام ارمغان سلیمان بھی شایع ہوا ہے۔ دارالمصنّفین نے حال ہی میں اس کا نیا خوب صورت ایڈیشن شائع کیا ہے۔

مولوی مسعود علی ندوی جو ایک زمانہ میں ان کے دست و باز و تھے۔ان سے ناچاقی کی بنا پر دارالمصنّفین سے بادل ناخواستہ ۱۹۴۴ء میں پہلے ریاست بھوپال کے دارالقضاء سے وابستہ ہوئے اور پھر جب ہندوستان نے ۱۹۴۹ء میں ریاست بھوپال کا وجود ختم کر دیا اور سید صاحب کو مناسب مقام نہیں دیا۔ دارالمصنّفین کے ارباب اختیار نے بھی منہ موڑ لیا تو وہ انتہائی دل برداشتگی کے عالم میں اپنی بیمار بیٹی سے ملنے کراچی گئے اور پھر وہاں سے واپسی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکی۔ ہندوستان نے اور خاص طور پر وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے جن سے ان کے روابط تھے، انہیں واپس لانے میں دلچسپی نہیں دکھائی اور ان کا دل پاکستان میں جس کی انہوں نے کبھی تائید نہیں کی تھی لگا نہیں، اور وہ اپنے استاذ ہی کی طرح دوقومی نظریے کے مخالف تھے۔ چنانچہ ان کے آخری تین سال انتہائی ذہنی کرب واذیت میں گذرے۔ یہیں ۲۲رنومبر ۱۹۵۳ء میں وفات پائی اور احاطہ اسلامیہ کالج کراچی کی خاک کے سپرد ہوئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ شبلی سے ان کو جو محبت وعقیدت تھی اس کی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری تاریخ میں استاذ وشاگرد کی مثالی محبت وعقیدت کی جو دو- تین نظیریں ملتی ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

علامہ شبلی نے علی گڑھ ندوہ کے لئے چھوڑا تھا، لیکن حالات نے انہیں حیدرآباد پہنچا دیا اور وہ سررشتہ علوم وفنون حیدرآباد سے وابستہ ہوئے۔۱۹۰۴ء میں اس کی نظامت سے مستعفی ہوکر ندوہ آئے تو طلبائے ندوہ نے ان کی آمد کی خوشی میں ایک خیر مقدمی جلسہ منعقد کیا، جس میں تقریریں ہوئیں اور استقبالیہ نظمیں پڑھی گئیں۔مولانا سید سلیمان ندوی نے علامہ شبلی سے اپنی پہلی عقیدت کا اظہار اس جلسہ میں ایک فارسی قصیدہ نذر کر کے کیا۔ فارسی میں یہ ان کا پہلا اور آخری قصیدہ ہے۔

گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے کہ ۱۷رمئی ۱۹۰۷ء کو علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ حادثہ گزند پا کا واقعہ پیش آیا۔اس واقعہ پر شاعروں نے قطعات ورباعیات لکھیں جو ماہنامہ الندوہ میں شایع ہوئیں، سید صاحب نے بھی اردو میں ایک رباعی کہی ہے۔ چونکہ اسی زمانہ میں علامہ شبلی کی مشہور

کتاب ''موازنہ انیس و دبیر'' شایع ہوئی تھی اس لئے سید صاحب نے اپنی رباعی اس کو پیش نظر رکھ کر کہی ہے۔

تنقید مراثی کے صلہ میں استاد دربار حسینی نے سعادت بخشی
پر سر سے ابھی کام تھا لینا باقی اس واسطے پاؤں کو شہادت بخشی

اس موقع پر اعظم گڑھ ہی میں انہوں نے عربی میں چند شعر کہے اور چپکے سے علامہ شبلی کے سراہنے رکھ دئے۔ علامہ شبلی نے دریافت کیا کہ کیا ہے؟ مگر شرم سے بتا نہ سکے۔ بقول سید صاحب اس نظم میں استاذ کے پاس دیر سے پہونچنے پر عفو تقصیر کی درخواست تھی۔ اس کا ایک شعر انہوں نے ''حیات شبلی'' میں درج کیا ہے۔

دع واغترف منک بحر الفضل والحکما
واقتبس منک شمس العلم والعلما

ترجمہ: مجھے فضل و حکمت کے سمندر سے چلّو بھر بھر کے پانی پینے دے اور اے علم اور عالموں کے آفتاب مجھے اپنے سے روشنی حاصل کرنے دے۔

اس کے بعد علامہ شبلی کی صحت کی خوشی میں عربی میں ایک مکمل قصیدہ کہا۔ اس کے چند اشعار ماہنامہ الندوہ لکھنؤ [دسمبر ۱۹۰۹ء] میں شایع کئے۔ یہ پورا قصیدہ حیات شبلی میں انہوں نے درج کیا ہے اور خود ان کے قلم سے اس کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس سے ان کی علامہ شبلی سے گہری عقیدت اور غایت تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

نومبر ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی کو جب اپنی صحت سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے اپنے محبوب تلامذہ مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی کو تار بھیج کر بلوایا۔ سید صاحب کو تار نہیں ملا، مگر وہ دل کے تار سے استاذ کی خدمت میں اعظم گڑھ آ پہنچے۔ جاں کنی کے عالم میں وہ سراہنے کھڑے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اشارے سے سب کام چھوڑ کر سیرۃ النبی مکمل کرنے کی خواہش کی اور پھر سیرت، سیرت کہتے ہوئے جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔

استاذ کی ۵۷؍سال کی عمر میں وفات نے شاگرد کے دل پر بڑا گہرا اثر مرتب کیا جو اس کے قلم سے نثر و نظم کی شکل میں ظاہر ہوتا رہا۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے استاذ کے حالات و سوانح، خدمات اور عظیم الشان کارناموں پر مشتمل ایک مقالہ 'زمیندار' لاہور میں لکھا۔ اس موقع پر انہوں نے دو قطعات بھی کہے اور لوح مزار کے لئے بھی چند شعر کہے جو ''ارمغان سلیمان'' اور ''حیات شبلی'' دونوں میں درج ہیں:

علامہ شبلی کے سانحہ وفات پر انہوں نے اردو میں جو مرثیہ کہا ہے وہ اردو میں خاصے کی چیز ہے۔ اس کے ایک ایک مصرعے سے نہ صرف غم واندوہ اور خون کے آنسو ٹپکتے ہیں اور شاگرد کی گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اس سے علامہ شبلی کی عظمت و بلند پایگی، جلالت علمی اور علوئے مقام و مرتبہ کا پورے طور پر اظہار بھی ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو میں شاید ہی کسی نے شبلی کا اس قدر دلدوز مرثیہ کہا ہو۔

اس نوحہ اور نوحہ گری کی اس دور کے متعدد شعراعزیز لکھنوی، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں حسرت شروانی نے داد دی۔

دور طالب علمی سے لے کر وفات تک علامہ شبلی نے جو مکاتیب سید صاحب کو لکھے اس کی ایک ایک چٹ انہوں نے محفوظ رکھی اور مکاتیب شبلی میں شائع کی ہے۔ اس میں ان کے ۸۲؍خطوط شامل ہیں۔ ان خطوط کو علاحدہ شائع ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس میں ''شبلی اور جہان شبلی'' کا شاید ہی کوئی ایسا اہم گوشہ ہوگا جس کا ذکر نہ آیا ہو۔

سید ظفر الملک علوی

[۱۸۸۵-۱۹۴۶ء]

مولوی محمد اسحاق معروف بہ سید ظفر الملک علوی۔ ماہنامہ الناظر لکھنو کے مدیر اور اردو کے ممتاز ادیب وانشا پرداز تھے۔ ان کا شمار اردو زبان وادب کے خدمت گذاروں میں ہوتا ہے۔

قصبہ کاکوری کے رہنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی کے مخالفین کے ہم نوا بلکہ مخالفین میں تھے۔حالانکہ مدۃ العمر علامہ شبلی کی تصنیفات وتالیفات بالخصوص الفاروق، المامون، سیرۃ النعمان، شعرالعجم، بیان خسرو، مضامین عالم گیراور کلام شبلی وغیرہ شائع کر کے مالی منفعت حاصل کرتے رہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے ''الکلام'' کے رد میں جو سلسلہ مضامین ایک طالب علم کے فرضی نام سے لکھا تھا اسے انہی سید ظفر الملک علوی ہی نے بالاقساط ماہنامہ الناظر میں شائع کیا تھا۔مولانا ماجد صاحب نے صراحت کی ہے کہ مخالفت ہی کے سبب یہ سلسلہ مضامین انہوں نے شائع کیا تھا۔علامہ شبلی کی وفات پرانہوں نے جو وفیاتی تحریر لکھی ہے اس سے بھی واضح ہے کہ ان کا دل صاف نہیں تھا اور وہ علامہ شبلی کو ناپسند کرتے تھے۔البتہ اسی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سوچ ان کی غلط فہمی بلکہ نافہمی پر مبنی ہے۔

ان کے نام علامہ شبلی کا ایک خط'' مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں شامل ہے۔اور وہ بھی علامہ شبلی نے ان کی اس غلط بیانی کی کہ وہ فارسی کے نامور شاعر خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی کے شاگرد ہیں، تردید ہی میں لکھا ہے۔اور یہ بھی لکھا ہے وہ میرے مخدوم ہیں۔

(مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۳۲۶)

مولوی مشرف الحق

[•••]

مولوی مشرف الحق، شمس العلماڈپٹی نذیراحمد دہلوی کے نواسے اوراڈنبرااسلامی سوسائٹی کے آنزیری سکریٹری تھے۔وہ بڑے سرگرم اور فعال شخص تھے۔ان کو اسلامی تاریخ کی تحقیقات کا نہایت شوق اور عمدہ مذاق تھا اور اس کے متعلق انہوں نے بڑا مفید سرمایہ یکجا کیا تھا۔مگر وہ محفوظ نہیں رہا۔

اڈنبرا اسلامی سوسائٹی ایک علمی و تحقیقی سوسائٹی تھی۔ اس کا مقصد خالص علم وتحقیق سے عبارت تھا۔ اس کے اراکین دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ اکثر ارکان دمشق، مصر اور ایران کے اہل علم واہل قلم اور دانش ور تھے۔ مولوی مشرف الحق کی لیاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس کے آنریری سکریٹری ہندوستان سے تھے۔(۱)

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ علامہ شبلی اڈنبرا اسلامی سوسائٹی کے آنریری پریسیڈنٹ منتخب ہوئے تے۔ ان کے صدر منتخب ہونے کے بعد مولوی مشرف الحق نے جو اطلاعاتی خط لکھا تھا اسے ناچیز نے اپنی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شائع کر دیا ہے۔(۲)

مولوی مشرف الحق کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان پہلے سے روابط تھے اور خط وکتابت کا سلسلہ بھی پہلے سے قائم تھا، لیکن اس خط کے سوا کوئی اور ثبوت ہم کو اب تک دستیاب نہیں ہوا۔

حوالے

(۱) ماہنامہ الندوہ جولائی ۱۹۰۸ء

(۲) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ۱۳۰

قوسؔ حمزہ پوری

[۱۸۸۵-۱۹۶۳ء]

اردو کے بزرگ اور کہنہ مشق ادیب وشاعر جناب ناوکؔ حمزہ پوری کے والد مولوی سید غلام رسول قوسؔ حمزہ پوری بڑے عالم و فاضل، ادیب وشاعر اور ممتاز اہل قلم تھے۔ تاحیات داد سخن دیتے رہے۔ ان کی شاعری کے مداح مولانا حالؔی [۱۸۳۶-۱۹۱۴ء] علامہ شبلی [۱۸۵۷-۱۹۱۴ء] اور مولوی نذیر احمد [۱۸۳۷-۱۹۱۰ء] جیسے اساطین علم وادب تھے۔ ان کے کلام کے دو مجموعے ''قرینہ غزل'' اور ''قوس قزح'' ان کے صاحبزادے اور بزرگ ادیب وشاعر جناب

ناوک حمزہ پوری نے مع ترجمہ مرتب کر کے شائع کر دئے ہیں، ایک کتاب ''جلوہ گاہ پیغمبر'' بھی ان کی یادگار ہے۔ کئی کتابیں اور مجموعہ کلام غیر مطبوعہ ہیں اور بعض ضائع بھی ہو گئے۔

(قوس حمزہ پوری ایک تعارف، ص۲۶۲-۲۷۹)

علامہ شبلی ۱۹۰۴ء میں دستار بندی کے موقع پر مولوی عبدالحق حقانی کے ساتھ ضلع گیا بہار تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر قوس حمزہ پوری کی ان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ پھر وہ ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ملاقات کے لئے لکھنؤ پہنچ گئے۔ ان دنوں علامہ شبلی ندوہ کے معتمد تعلیم تھے اور ان کا قیام امین آباد میں تھا۔ لکھنؤ میں ان کی ملاقات حکیم عبدالعزیز [۱۲۷۱-۱۳۲۹ھ] کے دولت کدے پر ایک تقریب میں ہوئی۔ دوسرے دن وہ علامہ شبلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس ملاقات کی تفصیل ناوک حمزہ پوری کے قلم سے ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت علامہ نے قوس سے ان کی چند غزلیں سنیں۔ ۲۵-۲۶/سال کے نوجوان سے حضرت علامہ کو غالباً فارسی میں پختہ کلامی کی توقع نہیں رہی ہوگی، اس لئے قوس کا کلام سن کر انہیں یک گونہ تعجب ہوا۔ حضرت علامہ نے امتحاناً اپنی ایک غزل کا مطلع قوس کو دیا اور اس زمین میں ایک مطلع کہنے کی فرمائش کی:
>
> اے کہ گفتی رہ و رسم تو نہ ایں می باید
> ما ہمینیم کہ ہستیم و ہمیں می باید
>
> حضرت قوس نے محض تین چار منٹوں کے غور و فکر کے بعد یہ شگفتہ مطلع کہہ کر پیش کیا۔
>
> جام مے در کف و در بر بت چیں می باید
> بندہ عشقم و دنیا و نہ دیں می باید
>
> بقول حضرت قوس علامہ موصوف شعر سن کر پھڑک اٹھے۔ نہایت مسرور ہوئے۔ بار بار شعر کو پڑھتے تھے اور کلام کی فصاحت و بے ساختگی کی داد دیتے تھے۔

اس کے بعد قوس کو اپنی شاگردی کا شرف بخشا۔ دیوان قوس کو بغرض اصلاح رکھ لیا اور دو ماہ بعد حضرت قوس کے قیام لکھنؤ کے درمیان کلام قوس کی نوک پلک درست کر دی۔ دوران قیام جو تازہ کلام قوس نے کہا اسے بھی دکھلاتے رہے۔

ان دنوں علامہ کا دستور یہ تھا کہ دس بجے شب کے بعد منتہی تلامذہ (ندوہ) کو بصورت سوال و جواب یا کبھی بہ شکل لکچر درس دیا کرتے تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر حضرت قوس بھی اکثر اس جماعت میں شامل ہو جایا کرتے تھے اور بقول خود اس مختصر مدت میں بھی بے حد فیض اٹھایا۔''

(ایضاً ص ۸۳-۸۴)

دو ماہ قیام کے بعد قوس حمزہ پوری اپنے وطن حمزہ پور واپس آ گئے۔ تاہم دونوں میں مراسلت کا سلسلہ قائم رہا۔ ناوک حمزہ پوری نے اپنی کتاب ''قوس حمزہ پوری۔ ایک تعارف'' میں علامہ شبلی کا ایک خط نقل کیا ہے جو ان کے پاس محفوظ ہے۔ یہ خط مکاتیب شبلی کے کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔ مکتوبات شبلی کے طبع جدید ۲۰۲۱ء مطبوعہ دارالمصنّفین شبلی اکادمی اعظم گڑھ میں اسے شامل کر دیا گیا ہے۔

مولوی حامد حسن قادری

[۱۸۸۷-۱۹۶۴ء]

مولوی حامد حسن قادری اردو کے نامور ادیب و انشا پرداز اور محقق و مصنف تھے۔ بچھراؤں ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت ہوئی۔ پہلے حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور میں ہیڈ مولوی، پھر سینٹ جارج کالج آگرہ میں اردو کے لکچر ر مقرر ہوئے۔

حامد حسن قادری بڑے اہل علم اور صاحب نظر ادیب و نقاد اور ادبی مورخ تھے۔ ان کے

قلم سے متعدد کتابیں نکلیں اور مقبول ہوئیں۔ان کے نام علامہ شبلی کے تین مختصر خطوط ''مکاتیب شبلی'' حصہ اول میں شامل ہیں۔خط وکتابت کا دورانیہ ۳۱/جنوری ۱۹۱۱ء سے ۲۰/فروری ۱۹۱۴ء پر محیط ہے،یعنی علامہ شبلی کے دور آخر میں خط وکتابت ہوئی۔

(مکاتیب شبلی حصہ دوم ص ۳۳۳ - ۳۳۴)

یہ خطوط اس لحاظ سے بہت اہمیت کے حامل ہیں کہ ان میں حامد حسن قادری نے متعدد ادبی استفسارات کئے ہیں جن کے علامہ شبلی نے جوابات دئے ہیں۔مثلاً انہوں نے چند اشعار بھیج کر پوچھا تھا کہ کیا یہ ہمایوں [بادشاہ] کی غزل ہے اور کیا ہمایوں شاعر بھی تھا؟۔علامہ نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ

> ''ہمایوں بادشاہ شاعر تھا،ممکن ہے کہ یہ اس کا کلام ہو۔اگر آپ دو غزل فوری بھیج دیں تو میں صحیح فیصلہ کرسکوں گا۔ریاضی سمرقند کا رہنے والا تھا۔جامی کے زمانہ کا شاعر ہے۔میر شیر علی نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔''(ایضاً)
>
> یہی حال دوسرے خطوط کا بھی ہے۔

مولانا سید ضیاء الحسن علوی

[۱۸۸۸-۱۹۴۷ء]

مولانا سید ضیاء الحسن علوی ندوی علامہ شبلی نعمانی کے شاگرد خاص تھے۔ندوۃ العلما سے فراغت کے بعد ایم اے او کالج علی گڑھ گئے۔اور ۱۹۱۳ء میں بی.اے.اور ۱۹۱۶ء میں ایم.اے. پاس کیا۔بعد میں مدارس کے انسپکٹر مقرر ہوئے۔بڑے لائق وفائق شخص تھے۔علامہ شبلی کو اپنے جن شاگردوں سے توقعات تھیں ان میں ایک مولوی ضیاء الحسن علوی بھی تھے۔چنانچہ انسپکٹر آف مدارس مقرر ہوئے تو انہوں نے تعلیم کے میدان میں علامہ شبلی نعمانی کے تعلیمی افکار کو روبہ عمل لانے کی بہت کوشش اور جدوجہد کی۔ان کی خودنوشت ''یاد ایام'' ۱۹۵۹ء میں ادارہ انیس اردو الہ

آباد سے شائع ہوئی ہے۔اس کا دوسرا مکمل اور صحیح ایڈیشن راقم نے مع تعلیقات وحواشی تیار کیا ہے جو جلد ہی ان شاء اللہ شائع ہوگا۔

ان کا اوران کی خودنوشت یادایام کا مفصل تذکرہ راقم کی کتاب شبلی خودنوشتوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔استاداورشاگرد میں عرصہ تک خط وکتابت کا سلسلہ رہا،مگران کے صرف دس ہی خطوط محفوظ رہے جو''مکاتیب شبلی'' حصہ دوم [ص۱۲۲-۱۲۶] میں شامل ہیں۔ان خطوط سے بھی استاداورشاگرد کی ہم آہنگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد

[۱۸۸۸-۱۹۵۸ء]

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد ایک جامع الصفات شخص تھے۔واقعہ یہ ہے کہ ایسے قابل اورصاحب بصیرت اشخاص مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔علم وادب،تعلیم وتربیت،علوم وفنون، تاریخ وتمدن،سیاسیات کون سا ایسا موضوع تھا جو مولانا آزاد کی دسترس سے باہر تھا۔وہ ۱۱رنومبر ۱۸۸۸ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔پھر ہندوستان آئے اوراپنے والد مولوی خیرالدین سے علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل کی۔ایک صحافی کی حیثیت سے علمی زندگی کا آغاز کیا۔ان میں شروع سے حریت وآزادی کے جذبات موجزن تھے چنانچہ سیاست میں اس قدر دلچسپی سے حصہ لیا کہ آل انڈیا کانگریس کے سب سے کم عمر صدر قرار پائے۔۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے الہلال جاری کر کے ملک میں بالخصوص مسلمانوں میں ایک انقلاب پیدا کردیا۔

مولانا آزاد صاحب طرز ادیب وانشا پرداز اورشعلہ بیان خطیب ومقرر تھے۔ان کا مطالعہ بے حد وسیع تھا۔انہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں سے مسلمانوں کی تعمیر وترقی اور ملک کی آزادی وسالمیت کا کام لیا۔کئی بار قید وبند اور زنداں کی صعوبتیں اٹھائیں۔اورآزادی کی راہ میں حائل کسی بات کی پرواہ نہیں۔۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا تو وہ پہلے وزیر تعلیم منتخب ہوئے۔اس

اہم عہدہ کو انہوں نے جس طرح نبھایا اور ملک میں جس طرح تعلیم اور تہذیب وثقافت کو عام کرنے کی کوشش کی وہ ہمارے ملک کی روشن تاریخ کا انتہائی اہم اور عظیم الشان باب ہے۔

ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے انہوں نے کمیشن مقرر کیا۔ آل انڈیا کونسل فار ٹیکنکل ایجوکیشن انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی اور ملک میں متعدد سائنسی تجربہ گاہوں کا قیام انہیں کا کارنامہ ہے۔ ساہتیہ اکادمی، سنگیت ناٹک اکیڈمی اور کلا اکیڈمی وغیرہ ادبی ادارے انہیں کے قائم کئے ہوئے ہیں۔ انڈین کونسل آف کلچرل ریلیشنز انہی کی ایما پر قائم ہوئی۔ غرض تعلیم و تہذیب اور ثقافت کے میدان میں انقلاب انہی کا برپا کیا ہوا ہے۔

وہ ایک بڑے اہل قلم اور صاحب اسلوب ادیب وانشاپرداز بھی تھے۔ ان کی نثر نے ایک زمانے کو متاثر کیا۔ اسی بناپر رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی نے فرمایا تھا کہ

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں کچھ مزہ نہ رہا

تذکرہ، غبار خاطر، کاروان خیال اور تفسیر قرآن، ان کے علمی وادبی، تخلیقی ایسے شاہکار ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔

علامہ شبلی سے ان کے انتہائی گہرے مراسم اور تعلقات تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے والد کے بعد غالباً سب سے زیادہ جسے عزیز اور محترم رکھا اور جس کی تکریم مدۃ العمر کرتے رہے وہ علامہ شبلی کی ذات گرامی ہے۔ ہندوستان کی سیاسیات میں علامہ شبلی پہلے شخص ہیں جنہوں نے تعصب اور تنگ نظری کے خلاف آواز بلند کی۔ ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور کانگریس کی حمایت کی۔ یہی کام مدۃ العمر مولانا آزاد بھی کرتے رہے۔ ہندو مسلم اتحاد کو سب سے بلند آہنگی سے علامہ شبلی نے اپنے مضمون مسلمانوں کی پولٹیکل کروٹ میں پیش کیا تھا۔ یہی نظریہ تھا جسے علامہ شبلی کے تمام تلامذہ اور منتسبین نے بڑی بلند آہنگی اور اعلیٰ حوصلگی سے پیش کیا۔ مولانا آزاد بھی اس کو ملت کے مفاد کے لئے انتہائی ضروری خیال کرتے تھے اور اسی پر مدۃ العمر کاربند رہے۔

مولانا آزاد اکتوبر ۱۹۰۵ء میں علامہ شبلی کی خواہش پر ندوہ لکھنو آئے اور علامہ شبلی کے

ساتھ قیام کیا۔ چند ماہ تک ماہنامہ الندوہ کی ادارت سنبھالی۔ پھر وکیل امرت سر چلے گئے۔ اصلاً یہیں خود مولانا آزاد کی زندگی میں انقلاب آیا۔ مولانا شبلی کے اثرات ان پر آخر تک قائم رہے۔

۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو ہندوستان کا یہ درخشاں ستارہ دہلی میں غروب ہوگیا۔ ان کا مزار جامع مسجد دہلی کے احاطہ میں واقع ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے بقول علامہ شبلی نعمانی سے خط وکتابت کا آغاز ۱۹۰۱ء میں ہوا اور یہ سلسلہ علامہ شبلی کی وفات تک جاری رہا۔ ان کے نام مولانا ابوالکلام آزاد کے چار خطوط اب تک دستیاب ہوئے ہیں، جنہیں راقم نے اپنی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں شامل کردئے ہیں۔ (۱)

مولانا آزاد کے نام علامہ شبلی کے اب تک کل ۷۷ر خطوط مدون ہوچکے ہیں۔ ۴۰ر خطوط مکاتیب شبلی حصہ اول میں مولانا سید سلیمان ندوی نے شائع کئے تھے۔ (۲) ۱۹۸۸ء میں پروفیسر سید محمد حسنین [۱۹۲۰-۱۹۹۹ء] نے ''خطوط شبلی بنام آزاد'' مرتب کیا جسے بہار اردو اکیڈمی پٹنہ نے شائع کیا ہے۔ اس میں مکاتیب شبلی کے ۴۰ر خطوط کے علاوہ کل ۱۷ر اور خطوط شامل ہیں۔ گویا ۱۷ر نئے خطوط کا اضافہ ہوا۔ (۳) بعد میں وقتاً فوقتاً مزید خطوط دریافت ہوئے اور کتب ورسائل میں شائع ہوئے۔ ان کی تعداد ۱۹ر ہے۔ راقم نے انہیں ''مکتوبات شبلی'' میں شائع کردیا ہے۔ (۴) بعد ازاں ایک اور خط ہاتھ آیا۔ اس طرح آزاد کے نام اب کل ۷۷ر خطوط دستیاب ہیں۔ آخری خط ''مکتوبات شبلی'' طبع دوم مطبوعہ دارالمصنّفین میں شامل ہے۔ ان کے نام جو خطوط ہیں ان میں علم ومعلومات کا دریا بہتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ علامہ شبلی اور مولانا آزاد کی کتاب زندگی کے بہت سے پہلوؤں سے آگاہی ہوتی ہے۔ علامہ شبلی مولانا آزاد کو الانتقاد لکھنے کا سبب تالیف بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تمدن اسلام کا ضرر متعدی ہوا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر ہارویز پروفیسر علی گڑھ نے اپنی تحریری رائے یونیورسٹی میں بھیجی ہے کہ امتحانات فاضل وعالم میں وہ داخل درس کی جائے۔ مجھ پر اس کا سخت اثر ہوا اور میں نے سب کام چھوڑ کر

اس کی دروغ بیانیوں پر ایک مضمون لکھنا شروع کیا۔ اس وقت تک بیس صفحے ہو چکے ہیں۔ عربی میں لکھوں گا اور عربی اخبارات میں طبع کراؤں گا۔"

(مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۲۸۰)

"تمدن (اسلام) کے رد میں ابتداءً ایک ہفتہ اس قدر انہماک رہا کہ ایک آنکھ میں پانی اترتا محسوس ہوا اور اب اس سے حرف نظر نہیں آتے۔ ایک آنکھ جو صحیح ہے اس پر بھی بہت بار معلوم ہوتا ہے۔ اب لکھنا پڑھنا بالکل کم ہو گیا ہے، اس لئے ساٹھ صفحے ہو کر رہ گئے اور اسی پر کتاب ختم کر دی طبیعت بہت افسردہ رہتی ہے۔ سپاہی کا ہتھیار چھن جائے تو پھر وہ کس کام کا ہے۔"

(مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۲۸۲)

طوالت کے خوف سے مزید اقتباسات نقل نہیں کئے جا رہے ہیں۔ اصل خطوط کا مطالعہ کیا جانا چاہئے۔

حواشی

(۱) علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ص ۹۹-۱۰۶

(۲) مکاتیب شبلی ج ا ص ۲۵۰-۲۷۵

(۳) سید محمد حسنین۔ خطوط شبلی بنام آزاد، بہار اردو اکادمی پٹنہ، ۱۹۸۸ء

(۴) مکتوبات شبلی طبع جدید ص ۳۰۱

ملا واحدی

[۱۸۸۸-۱۹۷۶ء]

ملا واحدی۔ محمد ارتضیٰ معروف بہ ملا واحدی دہلی کے رہنے والے اردو کے ممتاز اہل قلم تھے۔ دہلی کی ٹکسالی زبان لکھتے تھے۔ ۸۸ سال عمر پائی اور ۷۰ سال تک لکھتے رہے یہی وجہ ہے کہ

تحریروں کا ایک بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔

دورِ طالب علمی میں شمس العلماء خواجہ حسن نظامی [۱۸۷۸ - ۱۹۵۵ء] جنہیں مصور فطرت بھی کہا جاتا ہے، ان کے عقیدت مندانہ مراسم قائم ہو گئے اور ان کے اشتراک سے ۱۹۰۹ میں دہلی سے رسالہ نظام المشائخ جاری کیا جسے وہ پچاس برس تک نکالتے رہے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات سے دل برداشتہ ہو کر ہندوستان کو خیرباد کہہ کر پاکستان کی راہ لی اور کراچی میں جا بسے۔ وہاں بھی انہوں نے نظام المشائخ کو جاری رکھا۔

جس وقت ملا واحدی نے ہجرت کی اس وقت وہ آٹھ رسائل اور ایک اخبار کے مدیر تھے۔ ان کے لکھنے پڑھنے کا آغاز نوجوانی اور طالب علمی میں ہوا تھا۔ اس ذوق کے غلبہ نے تعلیم سے محروم کیا، تاہم بے شمار مضامین و مقالات، انشائیے اور خاکے لکھے۔ ماہنامہ نظام المشائخ کے علاوہ ماہنامہ خطیب اور ادیب وغیرہ کی بھی بہت عمدگی سے ادارت کی۔ ان کے علاوہ ان کی متعدد کتابیں میرے زمانے کی دلی، دلی کا پھیرا، دلی جو ایک شہر تھا، میرا افسانہ، سوانح خواجہ حسن نظامی، حیات سرورِ کائنات، تاثرات وغیرہ شائع ہوئیں۔

خواجہ حسن نظامی نے جو حلقہ مشائخ قائم کیا تھا اس میں درویشانہ لٹریچر کا اضافہ کرنا چاہا تو احباب کے اور ملک کے متعدد نامور اہلِ قلم، ادیبوں اور شاعروں کے نام خطوط لکھے۔ ان میں سرفہرست علامہ شبلی تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی نے اس سے بڑی دلچسپی لی اور نہ صرف تائید کی بلکہ اپنا ایک رسالہ ''بیانِ خسرو'' جو دراصل ''شعر العجم'' کا ایک باب تھا، درویشانہ لٹریچر میں اضافہ کی غرض سے اشاعت کے لئے بھیجا، جسے دفتر نظام المشائخ دہلی نے اسی حیثیت سے شائع کیا۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ رسالہ 'بیانِ خسرو' درویشانہ ادب کے حصہ کے طور پر اولاً شائع ہوا تھا۔

۱۹۱۰ء میں حلقہ نظام المشائخ دہلی کو مزید ترقی دینے اور اس کا دائرہ وسیع اور مفید بنانے کے لئے اہلِ علم اور اربابِ کمال کو خطوط لکھے گئے اور ان سے رائیں طلب کی گئیں۔ ماہنامہ نظام المشائخ کے ایک شمارے میں ان کے جوابات نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک نام علامہ شبلی نعمانی

کا بھی ہے۔اس سلسلہ میں علامہ شبلی لکھتے ہیں:

''حلقہ کی ضرورتیں میں نے سنیں ان سے کس کو اختلاف ہوسکتا ہے۔اسلام کی روحانیت کا مظہر صرف تصوف ہے،لیکن موجودہ تصوف سے زیادہ کوئی چیز قابل اصلاح نہیں۔اس لئے اس کے مراسم و عادات کی اصلاح کا قصد کرنا بہترین خدمات اسلامی ہیں۔

میں نے حلقہ کے متعدد رجسٹر دیکھے۔نہایت خوش ترتیبی سے تیار کئے گئے ہیں۔خدا خواجہ حسن نظامی صاحب قدس سرہ کی کوششوں کو کامیاب کرے۔

شبلی

۳۰،مارچ ۱۹۱۰ء

اس کے علاوہ کسی اور خط کا ذکر نہیں ملتا۔

(مکتوبات شبلی ص۰۰؟)

مولانا سید عبدالباری ندویؒ

[۱۸۸۹-۱۹۷۶ء]

علامہ شبلی کے ارشد تلامذہ میں مولانا عبدالباری ندوی فلسفی کا نام بہت نمایاں اور اہم ہے۔وہ علامہ شبلی نعمانی کی تربیت کا اعلیٰ نمونہ اوران کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ان کی زندگی کا ایک سرسری خاکہ ان کی ''سرگذشت''میں آگیا ہے جو انہوں نے اپنی مشہور کتاب''مذہب اور سائنس''کے آغاز میں قلم بند کیا ہے۔

مولانا عبدالباری ندوی ۱۸۸۹ء میں گدیہ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ان کے والد حکیم عبدالخالق،مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے مرید تھے۔انہوں نے اپنے بیٹے کی بسم اللہ اپنے شیخ

سے کرائی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۰۲ء میں وہ ندوہ میں داخل ہوئے۔ کچھ دنوں بعد ان کے والد نے ندوہ کی تعلیم غیر اطمینان بخش ہونے کی بنا پر وہاں سے نکال کر مولانا محمد ادریس صاحب کے پاس قصبہ نگرام بھیج دیا۔ ۱۹۰۴ء میں جب علامہ شبلی معتمد تعلیم ہو کر ندوہ آئے تو ان کے والد نے دوبارہ انہیں داخل کرایا اور پھر ان کی دینی تعلیم یہیں مکمل ہوئی۔ اور اپنی محنت اور ذہانت کی وجہ سے وہ علامہ شبلی نعمانی کی خصوصی شفقتوں کے مستحق ٹھہرے۔ درسیات کی تکمیل کے بعد ندوہ ہی میں انہوں نے انگریزی تعلیم کا آغاز کیا۔ نیز فلسفہ وکلام کا بھی مطالعہ شروع کیا اور پھر اپنی محنت و صلاحیت سے اس میں اتنی مہارت پیدا کی کہ یگانہ روزگار قرار پائے۔

ان کی مہارت وصلاحیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ بغیر کسی کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم اور سند کے وہ دکن کالج پونہ، گجرات کالج احمد آباد اور آخر میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں وہ فلسفہ کے استاد اور صدر شعبہ ہوئے اور بڑی نیک نامی اور شہرت و عزت پائی۔ یہی نہیں اس پر نہایت اہم کتابیں لکھیں۔

مولانا علوم جدیدہ وقدیمہ دونوں میں کمال دست رس رکھتے تھے۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے میدان میں انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس کا اندازہ ان کی درج ذیل کتب سے لگایا جاسکتا ہے۔

''مبادی علم انسانی [۱۹۱۸ء]، مذہب وعقلیات [۱۹۱۹ء]، برکلے [۱۹۱۹ء]، علم اخلاق [۱۹۲۳ء]، حدیقہ نفسیات [۱۹۲۸ء]، مقدمہ مابعد الطبیات [۱۹۳۱ء]، اخلاقیات [۱۹۳۲ء]، طریق اور تفکرات [۱۹۳۲ء]، فلسفہ نتائجیت [۱۹۳۷ء]، فہم انسانی [۱۹۳۸ء]، علمی نباتیات [۱۹۳۸ء]، تجدید تصوف وسلوک [۱۹۴۹ء]، جامع المجددین [۱۹۵۰ء]، تجدید تعلیم وتبلیغ [۱۹۵۱ء]، تجدید معاشیات [۱۹۵۵ء]، تفسیر صلاح وفلاح [۱۹۶۴ء]، مذہب اور سائنس [۱۹۸۰ء] وغیرہ

ان سے علامہ شبلی نعمانی کی خط وکتابت بھی رہی۔ ان کے نام علامہ شبلی کے ۷/خطوط ''مکاتیب شبلی'' حصہ دوم میں شامل ہیں۔ یہ خطوط اس لحاظ سے بہت اہمیت کے حامل ہیں کہ اس میں مسلمانوں کے متنوع معاملات شامل ہیں۔ ایک شفیق استاد اپنے شاگرد سے کس درجہ شفقت

سے پیش آتا ہے اور کس درجہ رہبری و رہنمائی کرتا ہے۔ علامہ کے ان خطوط سے اس کا ایک نمونہ سامنے آجاتا ہے۔

علامہ شبلی کی یہ ایک بڑی خوبی ہے اور موجودہ دور کے اساتذہ کے لئے ایک اسوہ و نمونہ عمل اور سبق آموز واقعہ بھی۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالباری ندوی کی سرگذشت زیادہ مفید کتاب ہے۔

مولانا سید ابوظفر ندویؒ

[۱۸۸۹-۱۹۵۸ء]

مولانا سید ابوظفر ندوی دیسنہ بہار کے ایک ذی علم خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے بھتیجے تھے۔ انہیں علامہ شبلی سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا۔

وہ مارچ ۱۸۸۹ء میں دیسنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سید ابوحبیب دسنوی سے حاصل کرنے کے بعد ندوہ آئے اور ۱۹۱۱ء میں تکمیل کی۔ بعد ازاں تدریس سے وابستہ ہوئے۔ اس کے بعد احمد آباد میں گاندھی جی [۱۸۶۹- ۱۹۴۸ء] کے مہاودیالے میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر جمالیہ کالج مدراس کے پرنسپل ہوئے۔ کچھ دنوں تک ریاست جوناگڑھ میں علمی و مذہبی خدمات انجام دیں۔ یہیں سے اختر جوناگڑھی کے ساتھ ایک علمی وادبی رسالہ ''شہاب'' جاری کیا۔ اسی زمانہ مولانا سید سلیمان ندوی نے تاریخ ہند کی تالیف کا منصوبہ بنایا تو انہیں بحیثیت رفیق دارالمصنّفین اعظم گڑھ بلالیا۔

تاریخ پر ان کی بڑی گہری اور عالمانہ نظر تھی۔ خاص طور پر گجرات کی تاریخ کے تو وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے مورخ و مصنف تھے۔ تاریخ پر ان کی بڑی معرکۃ الآرا کتب شائع ہوئی ہیں۔ انہوں نے برما کا سفر کیا اور بڑا شاندار سفرنامہ لکھا۔ وہیں زبان سیکھی اور برمی بول چال پر پہلی کتاب انہیں کے قلم سے نکلی۔ وہ ایک بڑے مقالہ نگار بھی تھے۔ ان کے متعدد مضامین و

مقالات ماہنامہ معارف اور دیگر رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ان کی تصنیفات کے نام درج ذیل ہیں:

سفر نامہ برہما، برمی بول چال، منتخبات اردو، جدید معلم اردو، فرہنگ مصطلحات، تاریخ گجرات، تاریخ اولیائے گجرات، مختصر تاریخ گجرات، تذکرہ اقدس، تاریخ بوہرہ، مختصر تاریخ ہند، تاریخ سندھ، تاریخ خاندان غزنہ، گجرات کی تمدنی تاریخ وغیرہ۔راقم نے ان کا مفصل تذکرہ اپنی کتاب ''عظمت کے نشاں'' میں لکھا ہے۔(۱)

ان کے نام علامہ شبلی کے ۹ رخطوط مکاتیب شبلی حصہ دوم میں شامل ہیں۔(۲) خط و کتابت کا زمانہ جنوری ۱۹۱۲ء سے نومبر ۱۹۱۳ء یعنی دوسال کے عرصہ پر محیط ہے۔علامہ شبلی کے تمام تر خطوط علمی مباحث پر مشتمل ہیں بلکہ اردو کے مکتوب نگاروں میں کوئی بھی مکتوب نگار اس معاملہ میں ان کا ہم پلہ نہیں۔مولانا سید ابوظفر ندوی کے نام جو خطوط دستیاب ہیں وہ اپنے علمی مشمولات ومباحث کے لحاظ سے بڑے اہم ہیں۔یہاں اختصار سے چند امور کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک عیسائی نے مولانا سید ابوظفر ندوی سے سور کی وجہ حرمت پوچھی۔چنانچہ انہوں نے علامہ شبلی سے دریافت کیا۔علامہ نے ان کے جواب میں لکھا کہ

> ''سور کے چند خصائل بد ہیں۔قرآن مجید میں تو صاف حرمت کی تصریح ہے۔حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر .(۳)
>
> دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔
>
> ''سور نہایت بے عزت جانور ہے۔کوئی جانور ایسا نہیں ہے کہ اپنی جفت کی نسبت اس کو عزت نہ ہو اور دوسرے سے اس کا تعلق پسند کرے، لیکن سور اس سے مستثنیٰ ہے۔اس کے علاوہ طبعاً اس کی غذا فضلہ ہے اور وہ نہایت ذوق سے کھاتا ہے۔''(۴)
>
> اسی طرح مولانا سید ابوظفر ندوی کے رہبانیت کے سوال پر لکھتے ہیں۔
>
> ''حضرت عیسیٰ نے شادی نہیں کی تو یہ ان کی رہبانیت تھی۔ان کی یہ

عام تعلیم تھی۔ ان کا مقولہ ہے کہ ''سوئی کے ناکے سے اونٹ نکل جا سکتا ہے لیکن صاحب دولت خدا کی سلطنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔'' شادی نہ کرنا تمدن کے خلاف ہے، اس لئے وہ کسی خاص آدمی کے لئے جائز ہوسکتا ہے، لیکن سوسائٹی کے لئے مضر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۳ر برس تک خدیجہ کے سوا جو شادی کے دن ۴۰ برس کی تھیں کسی سے شادی نہیں کی۔ یہ شباب کا بلکہ انحطاط کا زمانہ ہے۔ اس لئے اگر مقصود ہوائے نفس ہوتی تو اس زمانہ میں اور شادیاں کی ہوتیں جو شادیاں کیں اکثر پولٹکل تھیں۔ یعنی ان کے ذریعہ سے بڑے بڑے عرب کے قبائل سے اتحاد پیدا ہوا اور ان میں اسلام پھیلا۔''(۵)

اسی طرح اور بہت سے علمی و فقہی سوالات مولانا سید ابوظفر ندوی نے کئے اور علامہ شبلی نے ان کے جوابات دئے ہیں۔ خط نمبر پانچ سوالوں کے انتہائی مختصر جوابات پر مشتمل ہے۔

۱۔ ہندوستان نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام، بلکہ دارالامن ہے۔ کسی کا مال غصب کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔

۲۔ بنک کا سود میرے نزدیک جائز ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کا فتوی اس کے متعلق چھپ گیا ہے۔

۳۔ وقف کی کارروائی جاری ہے، ابھی وفد پیش نہیں ہوا۔(۶)

اس خط پر مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے نوٹ میں لکھا ہے کہ ''مولانا مرحوم نے فقہ حنفی کی رو سے ہندوستان کے دارالحرب اور منافع بنک کے سود نہ ہونے پر ایک پورا رسالہ لکھا ہے جو عنقریب طبع ہوگا۔(۷) مگر یہ رسالہ غالباً طبع نہیں ہوا۔ پتہ نہیں اب وہ محفوظ بھی ہے یا نہیں۔

مولانا سید ابوظفر ندوی اپنے استاد سے بے حد متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اوائل عمر میں انہوں اپنے استاد کی طرح تاریخ کو اپنا موضوع تصنیف قرار دیا تو پھر سر مو انحراف نہیں کیا۔ اور مدۃ العمر تاریخ ہی کی خدمت انجام دیتے رہے۔

حواشی

(۱) عظمت کے نشاں ۔ص۱۲۳-۱۳۶

(۲) مکاتیب شبلی ج ۲ص ۱۴۰- ۱۴۳

(۳) ایضاً ج ۲ص ۱۴۰

(۴) ایضاً ج ۲ص ۱۴۱

(۵) ایضاً ج ۲ص ۱۴۱

(۶) ایضاً ج ۲ص ۱۴۱- ۱۴۲

ڈاکٹر سید محمود

[۱۸۸۹-۱۹۷۱ء]

مجاہد آزادی ڈاکٹر سید محمود ہندوستان کے ممتاز سیاسی رہنما اور بہار کے وزیر تعلیم تھے۔ ہندوستان میں ابتدائی تعلیم کے بعد انگلینڈ اور جرمنی میں اعلی تعلیم حاصل کی تھی۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو [۱۸۸۹- ۱۹۶۴ء] ان کیا حباب اور مداحوں میں تھے۔

حکومت وسیاست کے ساتھ وہ تاریخ وتمدن اور شعروادب کے بھی بڑے اداشناس اور ممتاز اہل قلم تھے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ وہ علامہ شبلی کے خاص معتقدین میں تھے۔ ان سے خط و کتابت بھی رہی۔ ان میں بعض بڑے اہم مسائل زیر غور آئے ہیں۔ علامہ شبلی کی وفات کے بعد ان کے ادارے دارالمصنّفین سے گہرا تعلق آخری سانس تک باقی رکھا۔

(ماہنامہ معارف نومبر دسمبر ۱۹۷۱ء)

اخیر میں وہ دارالمصنّفین شبلی اکادمی کی انتظامیہ کے صدر ہو گئے تھے اور آخری سانس تک اس ادارہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے نام علامہ شبلی کے ۳ رخطوط مکتوبات شبلی میں شامل ہیں، جس میں تاریخ وسیرت کے موضوعات زیر غور آئے ہیں۔

مولوی مسعود علی ندوی

[۱۸۸۹-۱۹۶۷ء]

مولوی مسعود علی ندوی، علامہ شبلی کے خاص شاگرد اور دارالمصنّفین کے معماروں میں تھے۔ ان کی انتظامی صلاحیتوں پر علامہ شبلی کو بڑا اعتماد تھا۔ وہ بھیارہ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۰۴ء میں ندوہ آئے۔ ۱۹۱۲ء میں تعلیم سے فراغت پائی۔ مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی وغیرہ ان کے احباب خاص میں تھے۔ اس زمانہ میں ماہنامہ الندوہ کے جوائنٹ ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ ان سے ربط وضبط قائم ہوا جو زندگی بھر استوار رہا۔ علامہ شبلی سے انہیں بے پناہ عقیدت تھی۔ ندوہ میں جب علامہ شبلی کے خلاف طوفان برپا ہوا اور علامہ شبلی ندوہ کی معتمدی سے مستعفی ہوئے اور طلبہ نے احتجاجاً اسٹرائک کردی۔ اس کی قیادت انہی مولوی مسعود علی ندوی مرحوم نے کی تھی۔

علامہ شبلی نعمانی نے ۱۹۱۴ء میں اعظم گڑھ میں جب دارالمصنّفین قائم کیا تو اور تلامذہ کی طرح انہیں بھی اعظم گڑھ بلایا۔ چنانچہ اس کام کے لئے علامہ شبلی کا جو شاگرد سب سے پہلے اعظم گڑھ پہنچا وہ مولوی مسعود علی ندوی ہی تھے اور پھر آخری سانس تک وہ دارالمصنّفین سے وابستہ رہے۔ یہیں ۲۷؍اگست ۱۹۶۷ء کو وفات پائی۔ میاں بیوی دونوں دارالمصنّفین کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

دارالمصنّفین کے دو شعبے تھے۔ ایک علمی اور دوسرا انتظامی۔ مولوی مسعود علی ندوی نے شعبہ انتظامی سنبھالا اور اس خوبی سے اپنے فرائض انجام دئے کہ آج تک اس کی مثال دی جاتی ہے۔ ان میں انتظامی امور کے ساتھ تعمیری ذوق بہت بلند تھا۔ بلکہ اس معاملہ میں وہ دبستان شبلی کے شاہ جہاں کہے جاتے ہیں۔ دارالمصنّفین کی بیشتر عمارتیں اور شبلی کالج کا بڑا ہال انہی کا تعمیر کردہ ہے۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور ندوہ کی بعض عمارتیں بھی ان کی زیرنگرانی تعمیر ہوئیں۔

مولوی مسعود علی ندوی صاحب خاصے سیاسی تھے۔ وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے

ان کے دوستانہ مراسم آخر تک قائم رہے۔ پنڈت جی بھی ان کے بڑے مداح تھے۔ وہ جب اعظم گڑھ آتے تو دارالمصنّفین ہی کے مہمان خانہ میں قیام کرتے۔ اسی تعلق کی بنا پر کانگریسی لیڈر دارالمصنّفین میں قیام کرنا پسند کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آزادی سے پہلے کانگریسی رہنماؤں کا ایک ٹھکانہ اور آزادی کے متوالوں کا مرکز دارالمصنّفین تھا۔

ان کے نام علامہ شبلی کے ۳۳ رخطوط مکاتیب شبلی حصہ دوم میں شامل ہیں۔ یہ بالکل اخیر دور کی خط و کتابت ہے۔ ان خطوط میں پہلا خط ۲۲ رجولائی ۱۹۱۳ء کا اور آخری خط ۱۵ رنومبر ۱۹۱۴ء یعنی وفات سے تین دن پہلے کا ہے۔ (مکاتیب شبلی، ج ۲ ص ۱۰۲-۱۲۱)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ علامہ شبلی کے کس درجہ قریب تھے اور کس قدر استاد سے انہیں لگاؤ تھا۔ اب ایسے استاد و شاگرد کہاں ملیں گے۔؟

ان خطوط میں علامہ شبلی کے بیشتر عزائم اور منصوبوں کی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ ندوہ، تحریک وقف علی الاولاد، دارالمصنّفین اور کئی تصنیفات و تالیفات کا ذکر ان میں آیا ہے۔

ضیاءالدین احمد برنی

[۱۸۹۰-۱۹۶۹ء]

ضیاءالدین احمد برنی دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے آبا کا تعلق میرٹھ سے تھا۔ کانپور میں ٹیچر رہے۔ ۱۹۱۶ء میں بمبئی میں مترجم کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ اچھے اہل قلم اور صحافی تھے۔ ''عظمت رفتہ'' ان کی مشہور کتاب ہے۔ اور ان کی بہترین نثر نگاری کا نمونہ بھی۔ انہوں نے عطیہ فیضی کی انگریزی کتاب ''اقبال'' کا اردو میں ترجمہ کیا جسے ۱۹۵۶ء میں اقبال اکادمی پاکستان نے شائع کیا۔

برنی صاحب تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہیں ۱۹۶۹ء میں انتقال کیا۔

علامہ شبلی نے تالیف سیرۃ النبیؐ کا جب آغاز کیا تو متعدد انگریزی دانوں سے رابطہ کیا اور

ان سے انگریزی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ان تراجم کے لئے ضیاء الدین احمد برنی کا بھی انہوں نے انتخاب کیا تھا اوراسی کام کے لئے انہیں خط لکھا تھا۔انہوں نے کچھ کیا یا نہیں؟ یا کیا جواب اس کی اطلاعات دستیاب نہیں ہیں۔ان کے نام علامہ شبلی کا ایک سطری خط مکتوبات شبلی طبع جدید میں شامل ہے۔علامہ شبلی کی خواہش تھی کی انہیں سیرت کے اسٹاف میں شامل کر دیا جائے۔ مگر شاید یہ شامل نہیں ہو سکے اور اس سلسلہ کا ان کا کوئی کام بھی شائع نہیں ہوا ہے۔

مولوی عبدالقادر

[•••]

مولوی عبدالقادر صاحب دریابادی ڈپٹی کلکٹر،مولانا عبدالماجد دریابادی کے والد تھے۔ بڑے نیک، متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ترقی کر کے ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے تھے۔باوجود بلند عہدہ ومنصب کے پندار نام کو نہ تھا۔لوگوں کے کام آتے تھے۔اہل علم کے قریب رہنا پسند کرتے تھے بلکہ پورا خانوادۂ ماجدی علامہ شبلی کا معتقد و مداح تھا۔ان کی تقریبات میں بھی وہ مدعو کئے جاتے اوران سے مشورے بھی کئے جاتے تھے۔اس ایک خط کے سوا کسی اور خط کی اطلاع نہیں۔مولانا ماجد صاحب نے شائع کر کے اسے محفوظ کر دیا ہے۔آپ بیتی میں مولانا دریابادی نے ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

مولانا حاجی معین الدین ندویؒ

[۱۸۹۱-۱۹۴۱ء]

مولانا حاجی معین الدین ندویؒ ندوہ کے فاضل اور دبستان شبلی کے ایک نامور اہل قلم اور محقق ومصنف تھے۔علامہ شبلی سے انہیں شرف تلمذ حاصل تھا۔

حاجی صاحب بہار کے ایک گاؤں گیلانی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ندوۃ العلماء گئے اور فضیلت تک تعلیم حاصل کی۔۱۹۱۲ء میں فراغت پائی۔ یہ ان طلبہ میں تھے جن کا دارالمصنّفین کے لئے انتخاب علامہ شبلی نے کیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ۱۹۱۴ء میں دارالمصنّفین قائم ہوا تو استاذ کی خواہش کے مطابق مولانا سید سلیمان ندوی نے انہیں دارالمصنّفین بلا لیا اور وہ رفیق منتخب ہوئے۔ سلسلہ سیر الصحابہ کی دو بڑی اہم کتابیں خلفائے راشدین اور مہاجرین حصہ اول انہیں نے کے قلم کی مرہون منت ہیں اور جو آج بھی دارالمصنّفین کی اہم مطبوعات میں شمار کی جاتی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں ان کی ایک سال کی مسلسل محنت کا نتیجہ ہیں۔ اس سے ان کی تصنیفی اٹھان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک سال بعد کتب خانہ ندوہ کی فہرست سازی کے لئے ندوہ چلے گئے۔ وہاں بھی انہوں نے اپنے کام سے خاص دلچسپی لی اور مہارت پیدا کی۔ پھر وہ کلکتہ، پٹنہ، حیدرآباد اور رامپور مختلف مقامات پر علمی کاموں کے لئے ملازمتیں کیں اور بڑے علمی کام انجام دئے۔ پٹنہ میں انہوں نے موجودہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کی عربی کتب کی فہرست کئی جلدوں میں انگریزی میں مرتب کی جو حکومت کی طرف سے شائع ہوئیں۔ حالانکہ انہوں نے ندوہ کے علاوہ انگریزی اور کہیں نہیں پڑھی تھی۔ اسی طرح حیدرآباد میں انہوں نے قدیم ہندوستانی تاریخی مقامات کا جغرافیہ عربی زبان میں تیار کیا جو دائرۃ المعارف حیدرآباد کی طرف سے شائع ہوا۔ آخر میں وہ پٹنہ کی مشہور درس گاہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل مقرر ہوئے اور یہیں حدیث کے درس و تدریس کے درمیان وفات پائی۔

دور طالب علمی میں حج بیت اللہ کی سعادت پائی۔ چنانچہ اسی دور سے حاجی صاحب کے نام سے پکارے جانے لگے۔ انہیں علامہ شبلی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کے نام مکاتیب شبلی حصہ دوم میں دو خطوط شامل ہیں اور دونوں خطوط جولائی اگست ۱۹۱۴ء کے ہیں۔(۱)

حوالہ

(۱) مکاتیب شبلی جلد دوم ص ۱۳۹

پیرزادہ ابراہیم حنیف

[۱۸۹۱-۱۹۶۰ء]

پیرزادہ ابراہیم حنیف رہتک کے صدیقی خانوادے کے فرد تھے۔ ۱۶/دسمبر ۱۸۹۱ کو رہتک میں پیدا ہوئے۔ اور ۹/اپریل ۱۹۶۰ء کو وفات پائی۔ زمانہ طالب علمی میں مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد ندوۃ العلما لکھنؤ میں داخلے اور حصولِ وظیفہ کے لیے درخواست بھیجی تھی۔ اس درخواست پر علامہ شبلی نے جواب میں حسب ذیل مکتوب لکھا تھا:

جناب من! السلام علیکم

ندوہ میں کوئی وظیفہ اس وقت خالی نہیں۔ سو روپے ماہوار اس مد پر خرچ کیے جاتے ہیں اور اس سے زیادہ کی گنجایش نہیں۔

شبلی

۲/اگست ۱۹۱۱ء

یہ تفصیل ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کے مضمون مشمولہ مجلّہ نقطہ نظر اسلام آباد (۲۹) بیاد علامہ شبلی نعمانی۔۱۰۲۲ء سے ماخوذ ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

[۱۸۹۲-۱۹۷۷ء]

نامور اہل قلم، ادیب وانشا پرداز، محقق ومصنف اور مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سیتا پور ہائی اسکول سے انٹرنس اور ۱۹۱۲ء میں کیننگ کالج لکھنؤ سے بی.اے. کیا۔ اسی زمانہ میں وہ علامہ شبلی کے قریب آئے اور ان کی مجالس کا حصہ بنے۔ اور پھر قرب وتعلق میں اس قدر ترقی کی کہ بڑے بڑے تلامذہ نہیں پہنچ

سکے اور یہ تعلق مدۃ العمر باقی رہا۔

فلسفے کی تعلیم کے بعد علامہ شبلی سے سفارش کرائی اور چاہا کہ کیننگ کالج میں لکچرار ہوجائیں مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ چنانچہ نہیں ہوا اور وہ صحافت کی طرف مائل ہو گئے۔ ۱۹۲۵ء میں ہفتہ وار ''سچ'' جاری کیا جو ۱۹۳۵ء تک جاری رہا۔ ۱۹۳۷ء میں صدق نکالا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب طرز ادیب و انشاپرداز تھے۔ ان کے قلم سے مختلف موضوعات پر متعدد گراں مایہ کتابیں نکلیں۔ فلسفہ اجتماع، فلسفہ جذبات، تصوف اسلام، حکیم الامت نقوش و تاثرات، محمد علی، خطوط مشاہیر، آپ بیتی وغیرہ ان کی اہم کتابیں ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن ہے۔

علامہ شبلی سے انہیں بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ علامہ کو اپنا معنوی استاد قرار دیتے تھے۔ انہوں نے سیرت نبویؐ کی تالیف میں بطور مترجم علامہ شبلی کا تعاون کیا۔ علامہ شبلی سے، ان کی تصانیف سے اور ان کے اداروں سے پوری زندگی تعلق خاطر رکھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''مجھے لکھنا پڑھنا جو کچھ آیا وہ سب علامہ شبلی کی بدولت آیا۔ یہاں تک کہ کفر و الحاد سے نکلنے میں بھی علامہ شبلی کی تحریروں کا حصہ ہے۔'' سیرۃ النبی سے سب سے زیادہ فیض پہنچا۔ ان کا بہت مشہور مقالہ ''شبلی: انسان، مصنف اور مصنف گر'' ان کے انہی جذبات کا عکاس ہے۔ ۱۹۷۷ء میں وفات پائی۔ اور دریاباد کی خاک کے سپرد ہوئے۔

علامہ شبلی سے وقتاً فوقتاً خط و کتابت بھی ہوئی۔ ان کے نام علامہ کے ۲۱ رخطوط مکاتیب شبلی حصہ اول میں اور ۱۸ رخطوط راقم کی مرتبہ کتاب مکتوبات شبلی میں شامل ہیں۔

ان خطوط میں علامہ شبلی کی تابناک زندگی کے متنوع پہلوؤں کا ذکر آیا ہے۔ ان کا مطالعہ و جائزہ ابھی تک کسی کے قلم کا حصہ نہیں بنا۔ حالانکہ ان پر کم نہیں لکھا گیا ہے۔

دارالمصنّفین شبلی اکادمی قائم ہوا تو وہ اس کے رکن نامزد ہوئے اور تاحیات اس سے وابستہ رہے اور اس ادارہ بڑی خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر محمد سلیم

[۰۰۰]

ڈاکٹر محمد سلیم ادیب شہیر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے چچازاد بھائی اور ہم زلف تھے۔ قومی وملی ہمدردی میں مسلمانوں کی مختلف تنظیموں سے وابستہ رہ کر قوم وملت کی اپنے تئیں بڑی خدمات انجام دیں۔

ان کے نام علامہ شبلی نعمانی کا انتہائی مختصر خط مکتوبات شبلی میں شامل ہے جو مولانا دریابادی کی کتاب مشاہیر کے خطوط سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ دراصل ڈاکٹر محمد سلیم کے خط کے جواب میں ہے جس میں انہوں نے اپنی والدہ کی وفات کی اطلاع دی تھی اور ایصال ثواب کے لئے کہا ہے۔ اس معمولی خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ خانوادۂ ماجدی علامہ شبلی سے کس درجہ تعلق رکھتا تھا۔ مولانا ماجدؒ کے بھتیجے اور ناموراہل قلم پروفیسر محمد ہاشم مرحوم ہمارے رابطے میں رہے۔ علامہ شبلی سے ان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ادارۂ سرسید سے وابستہ ہونے کے باوجود وہ سرسید احمد خاں کے بہت بڑے ناقد اوران کے بالمقابل علامہ شبلی کے بہت بڑے معتقد تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں اسلام کے بقاوتحفظ کے لئے علامہ شبلی نعمانی کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں۔

سر فضل حسین

[۱۸۷۷-۱۹۳۶ء]

سر فضل حسین بیرسٹر ہندوستان کے ناموراور ماہر قانون داں تھے۔ سیاست وحکومت میں بھی درک رکھتے تھے۔ بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور کرائسٹ چرچ کالج کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ کریزان سے ۱۹۰۱ء میں بارایٹ لا کی سند حاصل کی۔ پہلے سیال

کوٹ پھر لاہور میں وکالت کرتے رہے اور اس میں بڑی عزت اور نیک نامی حاصل کی۔

ملی حمیت بھی تھی اور اس سے دلچسپی لیتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ انجمن حمایت اسلام لاہور اور انجمن اسلامیہ لاہور کی مجلس انتظامی کے اراکین میں تھے۔اور ان کے پروگراموں سے بھی دلچسپی لیتے تھے۔

ان کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں حکومت برطانیہ نے سر کا خطاب دیا۔پنجاب ریونو کے ممبر اور وائسرائے کی کونسل کے بھی رکن رہے۔پنجاب کے وزیر تعلیم بھی رہے۔اس کے علاوہ بھی متعدد عہدہ و مناصب پر فائز رہے اور خدمات انجام دیں۔

علامہ شبلی نے انھیں بھی وقف علی الاولاد کے سلسلہ کے پمفلٹ اور فارم بھیجے۔اس کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ

مکرمی مولانا صاحب زادعنایتۂ

السلام علیک

مجھے جناب کی چٹھی متعلق مسئلہ وقف اولاد دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، اس مسئلہ کے متعلق اور دو ایک اور مسائل کے متعلق سید امیر علی صاحب بہادر سے میں خط و کتابت کرتا رہا ہوں اور چند سال سے مجھے خیال تھا کہ لاہور کی انجمن مستشار العلماء کے توسط سے ہندوستان کے فقہاء سے ایک فتوی لینا چاہئے جو ہر ایک مسئلہ کا مدلل طرز پر تصفیہ کرے اور شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور و سکریٹری انجمن مستشار العلماء سے بھی ذکر کرتا رہا، جو کام آئندہ کرنا چاہتے ہیں ضروری ہے اور عمدہ ہے۔

آپ کا نیازمند

فضل حسین بیرسٹر ایٹ لا

۱۷رجنوری ۱۹۰۸ء

ڈاکٹر محمود لبیب

[•••]

ڈاکٹر محمود لبیب شام کے باشندہ تھے۔ علامہ شبلی جس زمانہ میں تاریخ التمدن الاسلامی کا ردالانتقاد لکھ رہے تھے، ایک مسلمان مورخ ڈاکٹر محمود لبیب بھی اسی موضوع پر جرمنی میں کام کررہے تھے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں علامہ شبلی سے رابطہ قائم کیا۔ علامہ شبلی نے ان کے جواب میں جرجی زیدان کی ابلہ فریبیوں کا ذکر کیا تو انھوں نے علامہ شبلی کے خط کو اپنے ایک خط کے ساتھ جرجی زیدان کے پاس بھیج کر اس کو اس کی غلط کاریوں کا احساس دلایا اور علامہ شبلی کو ایک مفصل خط لکھا۔ جسے جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے ایک مضمون جو ماہنامہ الندوہ لکھنوا کتوبر ۱۹۰۸ء میں جرجی زیدان کے رد میں شائع ہوا نقل کیا ہے۔ یہ خط کسی تحقیقی مقالہ سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر محمود نے اس کے علاوہ بھی خط لکھا تھا مگر وہ دستیاب نہیں ہو سکا اور تمام تر کوششوں کے باوجود ڈاکٹر محمود لبیب کے حالات وسوانح بھی معلوم نہ ہو سکے۔ البتہ ان کے مفصل خط سے یہ واضح ہے کہ یہ جرمنی کے ایک بڑے اسکالر تھے۔

کتابیات

کتب:

- آپ بیتی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی، مکتبہ فردوس لکھنو، ۱۹۸۹ء
- آثار شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء
- آگرہ میں اردو صحافت، ڈاکٹر سید اختیار جعفری، مرزا غالب ریسرچ اکیڈمی آگرہ، ۲۰۱۴ء
- اردو ترجمہ مکاتیب شبلی۔ ڈاکٹر خالد ندیم، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، دسمبر ۲۰۱۵ء
- افادات شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۲۲ء
- افکار سلیم۔ مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی، حالی اکیڈمی پانی پت، ۱۹۳۸ء
- اقبال اور پیروی شبلی۔ سید افتخار حسین شاہ، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۷۸ء
- اقبال اور دبستان شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء
- اقبال یار جنگ۔ حصہ اول، نواب سید تاج الدین، ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، حیدرآباد، ۱۹۷۰ء
- انجمن ترقی اردو (ہند) تاریخ اور خدمات، ڈاکٹر محمد یونس غازی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۸ء
- باقیات شبلی۔ مشتاق حسین، آزاد کتاب گھر دلی، ۱۹۶۴ء
- بیان شبلی حصہ اول۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۲۱ء

- پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ۔ڈاکٹر مسکین علی حجازی، سنگ میل لاہور ۱۹۹۷ء
- تاریخ نثر اردو بنام تاریخی نمونہ منثورات، مولوی احسن مارہروی حصہ اول، مسلم یونیورسٹی پریس ۱۹۳۰ء
- تذکرہ علمائے اعظم گڑھ۔مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مرکز دعوت وتحقیق دیوبند،۲۰۱۲
- تذکرہ علمائے ہند۔مترجمہ محمد ایوب قادری، مقدمہ ڈاکٹر سید معین الحق، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء
- تذکرہ کاملان رام پور، حافظ احمد علی شوق، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۱۹۸۶
- تذکرہ ماہ وسال۔ مالک رام، مکتبہ جامعہ دہلی، طبع اول۔۱۹۹۱ء
- تصانیف شبلی کے تراجم۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۲۱
- جگر بسوانی حیات اور کارنامے۔ڈاکٹر محمد صغیر عالم، ادارہ تحقیق وتنقید، سیتاپور، ۲۰۰۱ء
- حرف واثر۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۲ء
- حیات شبلی۔مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء
- حیات عبدالحی۔مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، اردو مراٹھی پبلی کیشنز پونہ، ۱۹۸۸ء
- حیات وحشت۔ڈاکٹر وفا راشدی، مکتبہ اشاعت اردو کراچی،۱۹۸۲ء
- خان بہادر پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز احوال اور آثار۔ پروفیسر عبدالستار دلوی، دکن مسلم ایجوکیشن اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پونے،۲۰۰۳ء
- خطوط شبلی۔منشی امین زبیری، ظل السلطان بک ایجنسی بھوپال
- خطوط شبلی بنام آزاد۔محمد حسنین، بہار اردو اکادمی پٹنہ، ۱۹۸۸ء
- خواتین دکن کی اردو خدمات۔نصیر الدین ہاشمی، رزاقی مشین پریس حیدرآباد،۱۹۴۰ء
- دارالمصنفین کی تاریخی خدمات۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۲۰۰۲ء
- ذکر فراہی۔ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر، اعظم گڑھ، ۲۰۰۱ء

- رپورٹ کارروائی انجمن وقف علی الاولاد، علامہ شبلی نعمانی، آسی پریس لکھنو۔۱۹۱۱ء
- روزنامہ پیسہ اخبار اور تحریک آزادی، احمد سعید، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور،۲۰۰۳ء
- سپاس نامہ۔نواب غلام احمد کلامی، بنگلور،۱۹۴۲ء
- سپاس نامہ کا جواب، مسلمانان میسور، بنگلور،۱۹۴۲ء
- سفرنامہ روم ومصروشام۔علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۱۹۹۱ء
- سید احمد مرتضیٰ نظر۔ڈاکٹر لبنیٰ ادریس، بھوپال ۲۰۱۵ء
- شبلی اور جہان شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء
- شبلی: خودنوشتوں میں۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۹ء
- شبلی: سخنوروں کی نظر میں۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء
- شبلی شناسی کے سوسال۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء
- شبلی مکاتیب اور ندوۃ العلما۔ڈاکٹر عمیر منظر، اپلائڈ بکس نئی دہلی،۲۰۱۵ء
- شبلی نامہ۔شیخ محمد اکرام، مکتبہ اردو لاہور
- شذرات شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، طبع اول:۲۰۱۴ء
- شعرالعجم جلد دوم، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، طبع ہشتم ۱۹۸۶ء
- عظمت رفتہ۔ضیاء الدین احمد برنی، ادارہ علم وفن کراچی،۲۰۰۰ء
- عظمت کے نشاں۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، طبع دوم ۲۰۱۰ء
- علامہ حمید الدین فراہی حیات وافکار، ڈاکٹر عبیداللہ فراہی، انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ،۱۹۹۲ء
- علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، مغربی بنگال اردو اکادمی کوکاتا، طبع اول:۲۰۲۱ء
- علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۸ء
- علامہ شبلی کے فارسی خطوط: ایک مطالعہ، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

دہلی،۲۰۲۲ء

- علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، مکتبہ جمال لاہور،۲۰۱۵ء
- علم الاقتصاد۔علامہ سر محمد اقبال۔اقبال اکادمی کراچی
- علمی نقوش۔پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی،۱۹۸۲ء
- قد اور سائے۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۹ء
- قوس حمزہ پوری ایک تعارف۔ناوک حمزہ پوری۔حمزہ پور گیا،۱۹۸۲ء
- کاروان رفتگاں۔مولانا مجیب اللہ ندوی، مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ندوۃ التالیف والترجمہ، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ،۲۰۰۸ء
- کلام شبلی کے اعلام واشخاص۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۰ء
- کلیات شبلی اردو۔علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء
- کلیات شبلی فارسی۔علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، طبع جدید ۲۰۰۴ء
- کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم، سید مظفر حسین برنی، اردو اکادمی دہلی،۱۹۹۱ء
- گوہرین نامہ۔محمد احسن اللہ خاں ثاقب، انوار المطابع لکھنو،۱۳۴۱ھ
- مآثر صدیقی حصہ دوم۔نواب سید علی حسن خاں، نول کشور لکھنو،۱۹۲۴ء
- متعلقات شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، طبع دوم ۲۰۱۱ء
- متاع رفتگاں۔شاہ معین الدین احمد ندوی، مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء
- مراسلات شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۶ء
- مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، طبع اول ۲۰۲۱ء
- مشاہیر اور پنجاب۔عزیز علی شیخ، فکشن ہاؤس لاہور،۲۰۱۲ء
- مشاہیر کے خطوط۔مولانا عبدالماجد دریابادی، نسیم بک ڈپو لکھنو،۱۹۶۹ء

- مشاہیر کے خطوط بنام مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۱۹۹۲ء
- مقالات شبلی جلد دوم، مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۱۹۸۸ء
- مقالات شبلی جلد ہشتم، مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۱۹۷۲ء
- مکاتیب شبلی۔(اول) مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۰ء
- مکاتیب شبلی۔(دوم) مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء
- مکتوبات شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ۔۲۰۲۱ء
- مکتوبات مشاہیر۔خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ۔۱۹۹۹ء
- مولانا محمد علی جوہر بحیثیت تاریخ اور تاریخ ساز۔محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی لاہور،۱۹۶۲ء
- میرا کالم۔مجتبیٰ حسین، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی،۲۰۱۳ء
- نقش دوام۔پروفیسر مختارالدین احمد، مرتبہ ڈاکٹر طارق مختار، علی گڑھ،۲۰۱۹ء
- نقش ونظر۔پروفیسر مظفرعلی شہ میری، معراج پبلی کیشن، تروپتی،۱۹۹۸ء
- نقوش شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۰ء
- نوادرات شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۷ء
- وفیات اہل قلم۔ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، اکادمی ادبیات پاکستان،۲۰۰۸ء
- وفیات معارف۔ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، قرطاس کراچی، جون ۲۰۱۳ء
- ہندوستانی دواخانہ دہلی۔طبیہ کالج دہلی،۱۹۱۱ء
- یگانہ روزگار مولانا عبدالسلام ندوی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ۲۰۱۴
- یادرفتگاں۔مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۱۹۹۲ء

رسائل:

- ماہنامہ ادیب الہ آباد: اگست ۱۹۱۰ء
- ماہنامہ البصیر چنیوٹ (شبلی نمبر) اسلامیہ کالج چنیوٹ،۱۹۵۷ء
- ماہنامہ الضیاء لکھنو: رجب ۱۳۵۲ھ

- ماہنامہ العلم کراچی: جنوری ۱۹۵۲ء
- ماہنامہ الموسی۔حیدرآباد: ج ا،ش ا-۲
- ماہنامہ الندوہ لکھنو: جولائی ۱۹۰۸ء، اکتوبر ۱۹۰۹ء، ستمبر ۱۹۱۱ء
- روزنامہ زمیندار لاہور: یکم دسمبر ۱۹۱۳ء، ۲۰ نومبر ۱۹۱۴ء
- ماہنامہ معارف اعظم گڑھ: نومبر ۱۹۵۹ء، نومبر، دسمبر ۱۹۷۱ء، اپریل ۲۰۱۸ء
- ماہنامہ معارف اعظم گڑھ (شبلی نمبر)، نومبر دسمبر ۲۰۱۴ء
- نقطہ نظر، اسلام آباد۔۲۹ (بیاد علامہ شبلی نعمانی) مدیر ڈاکٹر سفیر اختر۔۲۰۲۲ء
- نقوش لاہور۔ (خطوط نمبر) حصہ اول، اپریل، مئی ۱۹۶۸ء

•••

Shibli Ke Maktoob Elaih

By

Dr. Mohammad Ilyas Azmi

مصنف

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا تعلق سرزمین اعظم گڑھ سے ہے۔ وہ دارالمصنفین شبلی اکادمی اعظم گڑھ کے اعزازی رفیق ہیں۔ گذشتہ ۳۲/برسوں سے تحقیق و تصنیف کے میدان میں سرگرم ہیں۔ مختلف موضوعات پر سو سے زائد مقالات اور ۵۲/کتابیں شائع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں۔ ان میں دارالمصنفین کی تاریخی خدمات، عظمت کے نشاں، مطالعات و مشاہدات، عکس و اثر اور حرف و اثر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کا بنیادی موضوع مطالعہ و تحقیق علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور فکر و فن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں ماہر شبلیات قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ شبلی سے متعلق ابتک ان کی ۳۳/کتابیں شائع ہوکر اہل علم سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں آثار شبلی، نوادرات شبلی، مراسلات شبلی، شذرات شبلی، شبلی اور جہان شبلی، بیان شبلی، نقوش شبلی، افادات شبلی، علامہ شبلی اور انجمن ترقی اردو، اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ ان میں متعدد کتب کو اتر پردیش، بہار اور مغربی بنگال اردو اکادمی سے انعامات مل چکے ہیں۔ شبلی کالج اعظم گڑھ نے امتیاز شبلی اور شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد نے افتخار شبلی اور مجموعی ادبی خدمات کے لئے اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ نے مسعود حسن رضوی انعامات سے نوازے جا چکے ہیں۔ وہ ملک و بیرون ملک متعدد رسائل کی مجلس ادارت و مشاورت کے رکن بھی ہیں۔

ADBI DAIRA
AZAMGARH
E-mail : azmi408@gmail.com
Mob. : +91-9838573645

ISBN 819337850-1

Price : 350/-